عورت کے عین سامنے گھوڑا روکا اور بلند آواز میں اسے مخاطب کیا۔ ''کیا تم نے یہ جان بوجھ کے کیا ہے؟''

عورت نے تیزی سے نفی میں سر ہلایا۔ اور بچے کے کندھوں کے گرد اپنی گرفت مضبوط کر دی۔

''اگر تم نے یہ جان کے کیا ہوتا تو میں تمہیں سزا دیتا۔ کیونکہ تمہارے اس عمل سے میرے محل پہنچنے میں تاخیر ہو جائے گی۔ محل میں بہت سے کام میرے منتظر ہیں۔ میں مراد راجہ ہوں۔'' گردن گھما کے چاروں اطراف کھڑے تماش بینوں کو دیکھ کے بلند آواز میں کہا۔ ''میں ملاکہ سلطنت کا بندا ہارا ہوں۔ تمہارے لئے دوسرے ملکوں سے سامان منگوانے والا۔ تمہارے طب خانوں میں دوا کا انتظام کرنے والا۔ میں فجر سے مغرب تک تمہارے لئے کام کرتا ہوں۔''

سارے میں سناٹا تھا اور لوگ چپکے ہوئے گھوڑے پہ بیٹھے بندا ہارا کو بولتے سن رہے تھے۔

''لیکن تم نے یہ غلطی سے کیا ہے اس لئے میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ تمہارے پھل میلے ہو چکے ہیں۔ عارف.....'' اس نے تحکم سے عارف کو مخاطب کیا۔ ''اسے کسی خوانچہ فروش سے مزید پھل دلوا دو اور راستہ صاف کرو۔ ہم رزق کو کچل کے نہیں گزر سکتے۔''

عارف نے ناخوشی سے اسے دیکھا۔ مگر اب وہ مزاحمت نہیں کر سکتا تھا۔ ایک نگاہ غلط مراد کے عقب میں کھڑے فاتح پہ ڈالی اور حکم بجا لانے آگے بڑھ گیا۔

عورت بالکل گنگ رہ گئی تھی۔ پھر وہ بار بار سر جھکا کے شکریہ ادا کرنے لگی۔ سپاہیوں نے اسے چھوڑا تو وہ فوراً سے ایک طرف ہٹ گئی۔ خوانچہ فروش آگے بڑھے اور سپاہیوں کے ساتھ پھل چننے لگے۔ راستہ صاف ہوا تو مراد نے گھوڑا راستے پہ ڈال دیا اور ساتھ ہی اسے مخاطب کیا۔

''میں اس سے زیادہ ریاکاری نہیں کر سکتا۔ اگر تم یہ سمجھتے تھے کہ ثواب حاصل کرنے کے لئے میں اس عورت کے گھر میں راشن بھی ڈلواؤں گا تو تم مجھے نہیں جانتے۔''

''درست۔ لیکن آپ کو یہ ریاکاری اس لئے کرنی چاہیے تاکہ آپ اس جذبے سے روشناس ہوں جس سے آپ کبھی متعارف نہیں ہوئے۔''

''کون سا جذبہ؟'' مراد نے گھوڑا آگے بڑھاتے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

وہ مسکرا کے کہہ رہا تھا۔

''ہمارے زمانے میں اس کے لئے مختلف نام ہیں جو آپ نہیں سمجھیں گے۔ مگر یہ ایسا جذبہ ہے جو کسی نشے کی طرح انسان کو اپنے قابو میں کر لیتا ہے اور انسان سے وہ کام بھی کرواتا ہے جو اس نے پہلے کبھی نہیں کیے ہوتے۔''

''کس شے کا نشہ؟''

''شہرت کا نشہ۔تعریف سننے کی خواہش۔حُبِ جاہ۔ہمارے زمانے میں بہت سے لوگ اس ابتلا میں پڑے ہیں۔ان کے کاموں کی وجہ سے ان کے گرد پرستاروں کا جھمگھٹا لگا رہتا ہے۔وہ دلوں پہ حکومت کرتے ہیں۔ذہنوں کو اپنی مرضی سے چلاتے ہیں۔ان کی شہرت کے باعث لوگ ان کی محبت میں اندھا دھند مبتلا ہو جاتے ہیں حالانکہ ان میں سے اکثر نہ نیک ہوتے ہیں نہ اچھے۔''

وہ اب بازار سے نکل آئے تھے اور اب درختوں کے ایک جھنڈ کے پاس سے گزر رہے تھے۔مراد نے گھوڑے کی رفتار آہستہ کر دی اور تعجب سے اسے دیکھا۔

''میں نہیں مان سکتا کہ کوئی انسان نہ سورما ہو نہ کوئی ولی اور لوگ اس کی محبت میں اندھا دھند گرفتار ہو جائیں۔''

''ہماری دنیا میں ایسا ہوتا ہے' راجہ۔بڑے کام' خوبصورت شکل یا سحر انگیز تقریروں سے لوگ ذہنوں پہ حکمرانی کرنے لگتے ہیں۔مگر یہ بڑا ہی خطرناک فتنہ ہے۔پرستاروں کے لئے بھی اور جس کی پرستش کی جا رہی ہے' اس کے لئے بھی۔ایسے لوگوں کو مقبول کہا جاتا ہے۔اگر آپ سلطان بننا چاہتے ہیں' تو آپ کو اپنے لوگوں میں 'مقبول' ہونا پڑے گا۔کل جب آپ اس بازار سے گزریں گے تو ان لوگوں میں سے چند لوگ آپ کو توصیفی نظروں سے دیکھیں گے۔یہ نظریں آپ کو تسکین دیں گی۔آہستہ آہستہ ان نظروں کی تعداد بڑھ جائے گی۔پھر آپ ایک ایسی لذت سے روشناس ہوں گے جو پہلے آپ کے پاس نہیں تھی۔''

مراد نے گھوڑا روک دیا اور پورے کا پورا اس کی طرف گھوم گیا۔

''تم عجیب باتیں کرتے ہو' وان فاتح۔''

وہ مسکرا دیا۔''یہ باتیں آپ کو سلطان بنا سکتی ہیں۔مجھے بھی کسی نے ان باتوں کے ذریعے ایک اونچی کرسی تک پہنچایا تھا۔''

راجہ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔''تو کیا تم اپنے ملک کے بنداہارا بن گئے؟''

''نہیں۔میں نے اس کرسی کو یہ سوچ کے چھوڑ دیا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔''

مراد طنزیہ مسکرایا۔''یعنی تم نے ہار مان لی؟''

''راجہ....آپ کو ان لوگوں کے درمیان سے روز گزرنا ہو گا تاکہ آپ کا وہ احساسِ جرم ختم ہو جو آپ کیساتھ چپکا ہے۔''وہ اس کی بات نظر انداز کر کے کہنے لگا۔

''تم واپس اپنی دنیا میں کس کے لیے جانا چاہتے ہو' وان فاتح؟ اپنے تخت کو تم چھوڑ آئے ہو۔''

''میرے دو بچے ہیں۔میرے دوست ہیں۔میرا ملک ہے وہاں۔''

''تخت کی خواہش رکھنے والے کو تخت پائے بغیر کبھی سکون نہیں ملتا۔ تمہیں بھی نہیں ملے گا۔''

''کیا تخت پا کے سکون مل جاتا ہے؟''

''نہیں۔ کیونکہ تب تک ہمیں خوب سے خوب تر کی تلاش کے سفر کی ایسی عادت پڑ چکی ہوتی ہے کہ کہیں پڑاؤ ڈالنا برداشت نہیں ہوتا۔ خیر... تم کہہ رہے تھے کہ مجھے اپنی عوام میں مقبول ہونا پڑے گا؟''

ان کا قافلہ پیچھے رہ گیا تھا اور وہ دونوں باتیں کرتے کافی دور نکل آئے تھے۔

''جی اور آپ کی مقبولیت سے سب سے زیادہ ناخوش ملکہ ہوں گی۔''

مراد چونکا۔ ''ہاں۔ اور وہ یقیناً کوئی چال چلے گی۔''

''اس کے سدِ باب کا طریقہ ہے۔ ملکہ کے پاس صرف ایک ہتھیار ہے جس کے ذریعے وہ اپنا زور چلاتی ہے۔ اسے سارے ملک کی خبر بھی رہتی ہے اور وہ امورِ سلطنت میں دخل اندازی بھی کرتی رہتی ہے۔ اگر ہم اس ہتھیار کو ملکہ سے کھینچ لیں تو ملکہ مفلوج ہو جائے گی۔''

''اور وہ ہتھیار ہے سن باؤ وانگ لی!'' مراد نے سمجھ کے سر ہلایا۔

''جی راجہ۔ ملکہ کو کمزور کرنے کے لیے آپ کو وانگ لی کا پتا صاف کرنا پڑے گا۔''

''وانگ لی تمہارا سابق آقا تھا' وان فاتح۔ اور میں نے سنا تھا کہ تم نے ابوالخیر سے آزادی حاصل کر کے وانگ لی کے پاس جانے کے بعد بھی اپنے سابق آقا کی برائی تک نہیں کی تھی۔ اور آج تم مجھے اپنے سن باؤ کا پتا صاف کرنے کا مشورہ دے رہے ہو۔''

وان فاتح مبہم سا مسکرایا۔ ''اس بات کو زمانے بیت گئے' راجہ۔ وہ ایک غلام کا فیصلہ تھا۔ اور میں قدیم ملاکہ میں اب کی بار غلام کی طرح نہیں آیا۔ آپ نہیں جانتے کہ میں کیا کچھ کھو کے آیا ہوں۔''

مراد نے ہنکارا بھر کے غور سے اسے دیکھا۔

''مجھے سلطان بنا کے تمہیں کیا ملے گا۔''

''جب آپ سلطان بن جائیں گے تو میں آپ سے ایک شے مانگوں گا اور آپ کو مجھے وہ دینی ہو گی۔'' مراد راجہ کے چہرے پہ اکتاہٹ در آئی۔

''اگر تم سمجھتے ہو کہ میں تمہیں تاشہ کو ساتھ لے جانے دوں گا تو.....''

''میں آپ سے تالیہ کو ساتھ لے جانے کی بات نہیں کروں گا' بے فکر رہیں۔''

مراد راجہ نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''پھر؟ وقت کی چابی؟ آدم کی دوا؟''

''وہ تو آپ نے ویسے ہی دے دینی ہے۔ اس کا معاملہ آپ تالیہ سے طے کر چکے ہیں۔ مجھے آپ سے ایک اور چیز چاہیے ہے۔''

مراد نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ ''ایسا کیا ہو سکتا ہے؟''

''ایک دن ہم سلطنت محل میں کھڑے ہو کے اس بارے میں بات کریں گے' راجہ۔'' اور سر کو تعظیماً خم دیا۔ مراد نے سوچتے ہوئے اسے دیکھا۔

''وہ نکاح نامہ کہاں ہے' دان فاتح؟''

''وہ محفوظ ہے' راجہ۔ آپ بے فکر رہیں۔'' اور گھوڑے کو پیچھے کیا۔ یہ راجہ کو آگے بڑھنے کا اشارہ تھا۔ مراد نے سوچتے ہوئے گھوڑا آگے بڑھا دیا۔

دوسری دنیا کا یہ آدمی اسے ایک دم بہت پراسرار لگنے لگا تھا۔ کیا راجہ نے اسے اپنے ساتھ رکھ کے غلطی تو نہیں کر دی تھی؟

☆☆=========☆☆

اس روز سلطنت محل میں سجا دربار برخاست ہوا تو تمام درباری اپنی نشستوں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور سر جھکا دیے۔ مرسل شاہ اپنی قبا جھٹکتا اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا چبوترے کے زینے اتر کے پیچھے آیا۔ پھر سیدھ میں چلتا گیا۔

دروازے کھول دیے گئے اور سورج کی تیز روشنی کا راستہ وا ہو گیا۔

سلطان مرسل دھوپ سے منور برآمدے میں آیا تو دیکھا' سامنے سیڑھیوں سے اوپر ستون کے ساتھ وہ کھڑی تھی۔

سینے پہ بازو لپیٹے' ستون سے ٹیک لگائے کھڑی وہ سوچ میں گم لگتی تھی۔ سنہری گلابی باجو کرنگ پہنے' سر پہ گلابی کپڑا اٹکائے' وہ ماتھے پہ تاج سجائے' ہمیشہ کی طرح خوبصورت نظر آتی تھی۔

وہ کافی دن سے دربار میں نہیں آئی تھی اور مرسل شاہ نے اسے عرصے بعد دیکھا تھا۔

وہ رک گیا۔ پھر کمر پہ ہاتھ باندھے' دھیرے دھیرے اس کی طرف قدم اٹھانے لگا۔ اس کے پیچھے موجود غلام بھی ساتھ ہو لئے۔ شہزادی نے آہٹ محسوس کی تو چونکی اور تیزی سے گھومی۔ اس نوجوان سلطان کو دیکھا اور سر جھکایا۔ ''آقا۔''

''آپ کو بہت دن بعد دیکھا ہے' شہزادی۔'' وہ مسکرا کے گویا ہوا۔ اس کی پگڑی پہ جڑے نگینے دمک رہے تھے۔ وہ صورت کا ایسا تھا جیسے شہزادے ہوتے ہیں۔ اچھے نہ ہوں تب بھی تراش خراش ان کو خوبصورت بنا دیتی ہے۔ مگر اس کے چہرے کا لاابالی پن تالیہ کو غصہ دلاتا تھا۔ وہ جبراً مسکرا کے بولی۔

"بس سفر کی تھکان اتار رہی تھی۔" وہ دونوں دھوپ سے نہائے برآمدے کے ستونوں کے ساتھ کھڑے تھے۔لکڑی کے محل کے زینے ان کے ساتھ سے شروع ہوتے اور نیچے سبزہ زار تک جاتے تھے۔

"آپ کے لباس پہ کام شروع ہوگیا؟ اگر ضرورت ہو تو ہم کاریگر فراہم کر سکتے ہیں۔" مسکرا کے اسے دیکھتے ہوئے مرسل نے پیشکش کی۔

(کاریگر مائی فٹ!) مگر ضبط سے گہری سانس لی اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"آقا.....مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"

"کہیے۔" وہ متوجہ تھا۔اردگرد کافی لوگ تھے جو دربار سے نکل رہے تھے مگر ان دونوں کو کھڑا دیکھ کے دور سے کنی کترا کے سیڑھیوں کی طرف بڑھ جاتے۔جگہ اور وقت مناسب نہ تھا مگر وہ اب مزید اس ناٹک کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

"آقا.....میں آپ سے شادی نہیں کر سکتی۔"

وہ جو کمر پہ ہاتھ باندھے کھڑا تھا' چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔پھر ابرو اٹھایا۔

"کیا آپ کو کسی نے کچھ کہا ہے؟ غالباً ملکہ نے؟"

"نہیں آقا۔یہ میرا اپنا فیصلہ ہے۔ہم دونوں کی شادی نہیں ہو سکتی۔"

مرسل شاہ نے قدرے اچنبھے سے ابرو اکٹھے کیے۔

"ہم آپ کو کاریگر فراہم کر سکتے ہیں۔آپ کا لباس وقت پہ تیار ہو جائے گا۔"

"آقا.....لباس کی بات نہیں ہے۔میں اور آپ کبھی بھی شادی کر کے خوش نہیں رہ سکتے۔"

"اگر آپ ملکہ کے ساتھ اس محل میں نہیں رہنا چاہتیں تو میں ملکہ کو دوسرے محل میں بھیج سکتا ہوں۔"

"آپ کی پیشکش کا شکریہ آقا' لیکن میں یہ بات کسی دوسرے شخص یا چیز کی وجہ سے نہیں کہہ رہی بلکہ اپنے دل کی مرضی سے کہہ رہی ہوں۔"

"اگر آپ کی کوئی شرائط ہیں تو میں وہ پوری کر سکتا ہوں۔آپ مجھے تحریری طور پہ تمام شرائط بھجوا دیں۔"

تالیہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔کیا وہ اس کی بات نہیں سن رہا تھا؟ کیا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس کو انکار کر رہی تھی؟

"آقا.....میں.....یہ شادی.....نہیں کرنا چاہتی۔" ٹھہر ٹھہر کے بولی۔

"آپ کی تمام شرائط پوری کی جائیں گی' شہزادی تاشہ۔" وہ فخریہ گردن کڑا کے بولا۔" آپ کوئی عام عورت نہیں ہیں۔اور

آپ کو اپنی ملکہ بنانے کے لئے میں آپ کی ہر شرط پوری کرنے کو تیار ہوں۔"

کمر پہ ہاتھ باندھے وہ مسکرا کے دھوپ سے سنہری پڑتی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

اور تب تالیہ کو احساس ہوا کہ یہ پندرہویں صدی کا مرد تھا۔ اسے عورت کے انکار یا مرضی کی سمجھ تھی نہ پرواہ۔ اس زمانے میں سمجھا جاتا تھا کہ عورت کا اپنا دل نہیں ہوتا۔ وہ 2016 کا مرد نہیں تھا جس کو زبردستی اور بہت مشکل سے یہ بات تھوڑی تھوڑی سمجھ آنے لگی تھی کہ عورت کے اندر وفا' قربانی اور محبت کے علاوہ بھی کچھ ہوتا ہے۔ اس کا دل اور مرضی۔

وہ کہنا چاہتی تھی کہ وہ اس سے شادی نہیں کر سکتی کیونکہ وہ پہلے سے شادی شدہ ہے لیکن وہ نہیں کہہ سکی۔ مرسل شاہ کے پیچھے کھڑے سپاہیوں کی تلواریں دھوپ میں چمک رہی تھیں۔ وہ دشمن کے محل میں کھڑی اس کو نہیں للکار سکتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ انکار کرے گی تو مرسل سمجھ جائے گا لیکن اگر اس نے سمجھنا ہوتا تو ملکہ اس کا نکاح کسی اور سے کیوں کرواتی؟

"اگر آپ کی کوئی شرائط یا سوالات ہیں تو آپ ان کو بلاخوف وخطر میرے سامنے رکھ سکتی ہیں۔ کڑے مراحل سے گزر کے آپ کو حاصل کرنا مجھے زیادہ پسند آئے گا۔"

(اف..... سائیکو پیتھ.....) مگر بولی تو محض اتنا۔ "میں آپ کو اطلاع کر دوں گی' آقا۔"

اور بس سر جھکا دیا تو وہ آگے بڑھ گیا۔ اور تب تالیہ کو احساس ہوا کہ وہ کیا بول بیٹھی ہے۔

بنگا رایا ملایو کا تیرھواں باب ذہن کے پردے پہ کسی فلم کی طرح چلنے لگا۔ اس باب کا نام تھا۔ شہزادی کی آخری مانگ۔

اور اس باب میں شہزادی تاشہ کی سات مانگوں کا ذکر تھا جو کہ..... اونہوں تالیہ نے سر جھٹکا۔ اسے ان مانگوں کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے کیونکہ جہاں پہلی چھے شرائط مضحکہ خیز اور دیومالائی کارنامے سرانجام دینے سے متعلق تھیں' وہاں آخری شرط ایک جان لینے سے متعلق تھی۔

مرسل شاہ سے اس کی اپنی جان لینے کا سوال۔

اس نے جھرجھری لی۔ وہ ایسے سوال نہیں کر سکتی تھی۔ اس کتاب کے آخری تین ابواب جھوٹے تھے۔ یقیناً۔

وہ اپنی کنیزوں کی معیت میں چلتی محل کے باغیچے تک پہنچی تھی کہ سامنے چند روساء کی ایک ٹولی کھڑی تھی۔ اسے آتے دیکھ کے ان کے درمیان کھڑے ابوالخیر نے باقیوں کو اشارہ کیا۔ وہ تتر بتر ہو گئے تو وہ تنہا وہاں روش پہ کھڑا شہزادی کو اپنے قریب آتے دیکھنے لگا۔

"آپ مجھ سے بات کرنا چاہتی تھیں شہزادی۔"

دھوپ ایک دم رخصت ہو گئی۔ آسمان پہ بادل جمع ہونے لگ گئے اور ہر طرف چھایا اترنے لگی۔ دونوں گھاس کے

درمیان بنی روش پہ آمنے سامنے چھاؤں میں کھڑے تھے۔

''ابوالخیر.... مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پاس ''ماوراس'' ہے۔ طلائی گلاب کا پودا۔''

ابوالخیر چند لمحے کے لئے خاموش رہا پھر مسکرا کے ابرو اٹھایا۔ ''طلائی گلاب؟''

''جی۔ ماوراس.... سنہرے رنگ کا گلاب جو سونے کے پانی سے سینچا جاتا ہے اور ساری دنیا میں اس کے صرف چند گنے چنے پودے ہی ہیں۔ ملاکہ میں یہ صرف آپ کے پاس ہے اور آپ اس سے اپنے لئے دوا بناتے ہیں۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ طلائی گلاب جس گھر میں ہوتا ہے اس کے مالک کو کبھی رزق کی کمی نہیں ہوتی اور وہ وبائی بیماریوں کا شکار نہیں ہوتا۔''

''شہزادی..... طلائی گلاب ایک دیو مالائی داستان کا حصہ ہے۔ اس کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں ہے۔''

''بابا نے اسے آپ کے گھر کے ایک اندرونی کمرے میں خود دیکھا ہے جہاں ایک دفعہ آپ انہیں رازداری کی کوئی بات بتانے لے گئے تھے۔''

ابوالخیر کے چہرے کا رنگ بدلا۔ ماتھے پہ بل پڑے۔ مگر وہ بولا کچھ نہیں۔

''مجھے صرف ایک گلاب چاہیے ابوالخیر۔ صرف چند پنکھڑیاں۔ اگر آپ دے سکیں تو میں آپ کی ممنون ہوں گی۔'' اس کے تاثرات دیکھ کے وہ آہستہ سے بولی۔ ''میں اس کی قیمت بھی ادا کرنے کو تیار ہوں۔''

وہ طنز سے مسکرایا۔ ''کس چیز سے قیمت ادا کریں گی آپ؟ سونے سے؟ وہ ملاکہ میں سب سے زیادہ میرے پاس ہے۔ غلاموں سے؟ کیا کسی کے پاس مجھ سے زیادہ غلام ہیں؟ گھوڑوں اور مویشیوں سے؟ تو مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔''

''مجھے صرف ایک گلاب چاہیے ابوالخیر۔ مجھے کسی کے لئے دوا بنانی ہے۔ کسی کی زندگی کا دارومدار آپ کی ذرا سی فیاضی پہ منحصر ہے۔'' اس نے بہت ضبط اور نرمی سے کہا۔ آسمان پہ تیزی سے سیاہ بادل جمع ہو رہے تھے۔ چھایا اب اندھیرے میں بدلنے لگی۔

''نہیں شہزادی۔ میرے گلاب صرف میرے ہیں۔ آپ مجھے دنیا کی ساری نعمتیں بھی لا دیں تو میں ان کی ایک پنکھڑی بھی آپ کو نہیں دوں گا۔''

''مجھے وہ گلاب دولت اور طاقت میں آپ سے مقابلے کے لئے نہیں چاہیے ہیں۔''

اس نے اب کے قدرے بے بسی سے زور دیا مگر ابوالخیر نے ہٹ دھرمی سے سر ہلایا۔

''ناممکن۔''

تالیہ نے ابرو اکٹھے کر کے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''کبھی آپ نے ایسے چور دیکھے ہیں ابوالخیر جو بلی کی طرح بنا

چاپ کے اونچی حویلیوں میں داخل ہوتے ہیں اور من پسند شے چرا لاتے ہیں؟"

"کبھی آپ نے ایسی حویلیاں دیکھی ہیں شہزادی جن کے پہروں پہ سینکڑوں غلام لگے ہوتے ہیں؟ جن کے تالے سونے کے اور چابیاں چاندی کی ہوتی ہیں؟" اس نے شہزادی کی آنکھوں میں جھانک کے کہا۔ "جس کے پاس میرے جتنے غلام اور سونے چاندی کے ڈھیر ہوں' اس نے چوروں کا انتظام پہلے سے کر رکھا ہوتا ہے۔"

اور سر کو تعظیماً خم دیا۔ پھر وہ چلا گیا اور تالیہ بے بسی بھرے غصے سے اسے جاتے دیکھتی رہی۔

دوا کا پہلا جز ترکیبی ابوالخیر کے پاس تھا۔ صرف ایک پھول مانگا تھا اس نے۔ کیا تھا جو وہ دے دیتا؟ اس پھول کو تلاشنے میں مہینوں لگ جاتے۔ ایڈم کے دن کم ہو رہے تھے۔ وقت الٹی گنتی چل رہا تھا۔

کیا اسے ایک دفعہ پھر چور بن جانا چاہیے؟

ایڈم کے لیے کچھ بھی!

☆☆==========☆☆

وہ محل واپس آئی تو ایڈم کتب خانے سے ملحقہ کمرے میں موجود نہیں تھا۔ دربان نے بتایا کہ وہ اصطبل کی طرف گیا تھا۔ تالیہ کو ایک دم ڈھیروں پریشانی نے آن گھیرا۔ وہ کامدار لباس میں بدقت دوڑتی ہوئی محل کی پچھلی طرف آئی جہاں اصطبل بنا تھا۔ درجنوں گھوڑے سبز چراہ گاہ میں چرتے دکھائی دے رہے تھے۔ آسمان کو بادلوں نے ڈھک رکھا تھا اور چراگاہ میں چھایا تھی۔ سائیس اور دوسرے غلام گھوڑوں کے آس پاس پھر رہے تھے۔ اس نے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔

"شہزادی!" آواز پہ پلکیں اوپر اٹھائیں۔

وہاں ایک طرف گھاس سے ڈھکے ٹیلے تھے جو اوپر کو جاتے تھے۔ ان کی چوٹی پہ چند درخت اگے تھے۔ ایک درخت تلے ایڈم بیٹھا مسکرا کے اسے ہاتھ ہلا رہا تھا۔ تالیہ کی اٹکی سانس بحال ہوئی۔ اس نے اوپر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

"تم بہتر لگ رہے ہو۔"

"میں بہتر محسوس کر رہا ہوں۔" ایڈم آج سفید کرتا پہنے' سر پہ ٹوپی جمائے' دھلے منہ کے ساتھ بہتر نظر آ رہا تھا۔ گھٹنوں پہ کاغذات کا پلندہ تھا۔ قلم دوات بھی ساتھ رکھے تھے۔ "راجہ نے کوئی دوا بھجوائی تھی طبیب کے ہاتھوں۔ اس کو لینے سے میرے اندر مصنوعی توانائی بھر جاتی ہے۔ کبھی کبھی مجھے سمجھ نہیں آتا کہ راجہ مجھے مارنا چاہتا ہے یا زندہ رکھنا چاہتا ہے۔"

"راجہ صرف مجھے اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں۔ ہماری Equation میں تم غیر اہم ہو۔" تالیہ نے گھٹنوں پہ تھوڑی ٹکا دی اور نیچے چرتے گھوڑوں کو دیکھنے لگی۔ ایک سیاہ چمکدار گھوڑا سب سے الگ تھلگ گھاس چر رہا تھا۔ اس کے ساتھ نہ سائیس تھا

نہ کوئی دیکھ بھال کا ملازم۔

''آپ کو کوئی جز ترکیبی ملا؟''

''ہاں۔طلائی گلاب مل گیا ہے۔''وہ جبراً مسکرائی۔ایڈم نے غور سے اسے دیکھا۔

''کیا ابھی تک آپ کو نہیں معلوم ہوا کہ ایڈم بن محمد کو آپ کی کوراسٹوریز پکڑ لینے کی عادت ہے۔''

تالیہ نے گہری سانس لی اور اس کی طرف چہرہ موڑا۔''میں نے کہا نا' میں کوئی راستہ نکال لوں گی۔تالیہ نے کبھی ہار نہیں مانی۔''

وہ چند لمحے اداسی سے مسکراتا ہوا اسے دیکھتا رہا۔تالیہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔''کیا سوچ رہے ہو؟''

''یہی کہ میں آپ کی زندگی کا کون سا برتن ہوں؟''وہ زخمی سا مسکرایا۔''توانائی دینے والی کافی کا مگ؟یا مٹھاس دینے والے ڈیزرٹ کا پیالہ؟''

''شاید پانی کا وہ گلاس جس کے بغیر گزارا ممکن نہیں ہے۔''پھر رکی۔''تمہیں کیا لگتا ہے؟تم میری زندگی کے کون سے برتن ہو؟''

''بس ایک ٹوٹا ہوا برتن۔''

اس کی بات نے دل کو عجیب انداز میں دکھایا تھا۔وہ چپ ہوگئی۔پھر اس کے کاغذات کو دیکھا۔''کیا لکھ رہے ہو؟''

''راجہ کا حکم آیا ہے کہ کتاب کا اگلا باب تحریر کروں۔اس لئے وہ لکھ رہا ہوں۔''

وہ اچنبھے سے اسے دیکھنے لگی۔''ایڈم....تم نے بنگارایا ملایو پہلے نہیں پڑھ رکھی تھی۔اب پڑھ رکھی ہے۔تم کیا صرف وہی سب کچھ لکھ دو گے جو تم نے نئے زمانے میں پڑھا تھا؟''

''نہیں۔کیونکہ بے شک میں نے کتاب پڑھی ہے مگر حرف بہ حرف یاد نہیں۔میں صرف وہی لکھوں گا..... پوری ایمانداری سے.....جو میں ہوتے ہوئے دیکھوں گا۔یا سنوں گا۔''

''دکھاؤ۔''اس نے کاغذات لئے اور ان کو سرسری سا الٹ پلٹ کے دیکھا۔

شہزادی تاشہ کی سفر سے واپسی .....مراد راجہ سے ایک سیاہ چادر والے آدمی کا ملنا.....صبح راستہ روکنا.....سیاہ گھوڑا.....

''اس نے راجہ کو سلطان بنانے کا وعدہ کیا تھا۔اسی لئے وہ سلطان ساز کے نام سے مشہور رہا تھا۔مگر اس وعدے کا ذکر کتاب کے آخر میں ہوگا۔اگر ابھی میں نے اسے لکھ دیا تو مرسل شاہ کو خبر ہو جائے گی' کیونکہ کتاب کے ابواب پڑھ کے سنائے ہوتے ہیں۔یہ میں تب لکھوں گا جب مرسل شاہ کا تختہ الٹ چکا ہوگا۔''

''یعنی یہ ابواب تم نے ہی تحریر کیے تھے۔'' وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بولی۔ ''اور واقعی۔ سلطان ساز کے وعدے کا ذکر آخر میں تھا۔ مگر ایڈم... میں مرسل شاہ سے شادی کے لئے کیسے تیار ہو سکتی ہوں؟ اور وہ عجیب شرائط۔ کیا تھیں وہ؟'' اسے وہ یاد بھی نہیں آ رہی تھیں۔

''ہاں کچھ عجیب شرائط تھیں جو آپ نے ان کے سامنے رکھی تھیں۔ مجھے صرف ایک یاد ہے۔ ان کی جان لینے والی۔''

''مانا کہ وہ سائیکو پیتھ اور بگڑا ہوا امیر زادہ ہے لیکن اس بے چارے سے اس کی جان لینے کا سوال میں کیوں کروں گی؟ ہرگز نہیں۔'' اس نے جھرجھری لی۔ ایڈم نے کندھے اچکا دیے اور سر جھکائے' کاغذ گھٹنوں پہ رکھے قلم سیاہی میں ڈبو ڈبو کے لکھنے لگا۔

''اس باب کا نام کیا ہے؟''

''ابھی میں نے نہیں لکھا۔ باب کا نام میں تب لکھوں گا جب کوئی خاص واقعہ پیش آئے گا۔ ویسے جو کتاب ہم نے پڑھی تھی.... نئے زمانے میں.... اس میں اس باب کا نام شہزادی کی آخری مانگ تھا۔ لیکن جب آپ نے سلطان سے کچھ مانگا ہی نہیں تو میں وہ نام کیوں رکھوں؟''

''تم..... اس کا نام کچھ اور رکھ دو۔ اور ابھی رکھ دو۔'' وہ تیزی سے کہہ کے اٹھی۔ ایک دم اسے گھٹن محسوس ہونے لگی تھی۔

''کیا؟'' ایڈم نے پیچھے سے پکارا۔ ''The prodigal daughter returns?''

تالیہ جواب دیے بغیر سبز پہاڑی سے نیچے اترنے لگی۔ ہوا تیز چلنے لگی تھی اور اس کے ٹخنوں کے گرد سے اس کا لباس پھڑ پھڑا رہا تھا۔ اوپر بیٹھے ایڈم نے زکام زدہ سانس ناک سے اندر کھینچی اور سر جھکا کے آہستہ آہستہ کچھ لکھنے لگا۔

سیاہ گھوڑا اکیلا کھڑا گھاس پہ منہ مار رہا تھا۔ وہ اس کے قریب آئی اور نرمی سے اس کی گردن کو چھوا۔ گھوڑے نے ذرا سی گردن ہلائی پھر واپس کھانے میں مصروف ہو گیا۔

وہ دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی۔ پیار سے۔ اپنائیت سے۔ وہ اصطبل کے سامنے کھڑی تھی اور یہاں سے اسے کنکھیوں سے اصطبل کے باڑے میں کام کرتے ملازم دکھائی دے رہے تھے۔

''یہ کس کا گھوڑا ہے؟'' اس نے قریب سے گزرتے سائیس کو پکار کے سرسری سا پوچھا۔ اور ساتھ ہی اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرے گئی۔

''کم از کم میرا نہیں ہے۔'' آواز پہ وہ چونکی۔ فاتح جانے کہاں سے آیا تھا' اس کے ساتھ سے گزرتے ہوئے سنجیدگی سے تبصرہ کیا اور اصطبل کی جانب بڑھ گیا۔ تالیہ نے دیکھا' اصطبل کے ایک چوکھٹے میں ایک دوسرا سیاہ رنگ کا گھوڑا کھڑا تھا۔ اس

نے جلدی سے ہاتھ اس گھوڑے سے پیچھے کھینچا۔ (اوہ۔ یہ کسی اور کا گھوڑا تھا۔) ماتھے پہ بل پڑ گئے اور حلق تک کڑوا ہو گیا۔

وہ کندھے پہ ایک تھیلا لادے اپنے گھوڑے کی طرف جا رہا تھا۔ اسے آتے دیکھ کے اس کا گھوڑا بے چین ہوا۔ وہ قریب آیا' تھیلا زمین پہ رکھا اور نرمی سے گھوڑے کے چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ گھوڑا پر سکون ہو گیا۔

وہ اپنے ہاتھ جھاڑتی اس کے پیچھے آئی اور اس کے چوکھٹے کے دہانے پہ رکی۔

"آپ بابا کو کون سی امید دلا رہے ہیں؟" انداز میں خفگی سے زیادہ غصہ تھا۔ پتہ نہیں کس بات کا۔

"یہ سوال آپ اپنے بابا سے پوچھیں' شہزادی۔ مجھ سے نہیں۔" وہ بے نیازی سے کہتا اب تھیلے سے کچھ چیزیں نکال رہا تھا۔ بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور کرتے کے آستین موڑ رکھے تھے۔

"میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ روپوش ہو جائیں مگر آپ میری اتنی سی بات نہیں مان سکتے۔"

"جی۔ نہیں مان سکتا۔ اور کچھ؟" وہ گھوڑے کے سامنے آیا اور ایک کنگھے سے اس کے بال دھیرے دھیرے چھڑانے لگا۔

"آپ کرنا کیا چاہتے ہیں؟" وہ زچ ہوئی۔

"یہ میں آپ کو بتانا ضروری نہیں سمجھتا' شہزادی۔" وہ اوپر سے نیچے کنگھا لا رہا تھا۔ دھیرے دھیرے گھوڑے کے سیاہ بالوں کی گرہیں سلجھنے لگی تھیں۔

"آپ مجھ سے اس طرح بات نہیں کر سکتے۔ میں ہر موقع پہ آپ کے ساتھ کھڑی رہی ہوں۔"

فاتح کے ہاتھ رکے۔ اس نے گردن موڑ کے تالیہ کو دیکھا۔ "تم مجھے بتائے بغیر ہماری دنیا سے روپوش ہونے جا رہی تھیں۔ میں تمہارے پیچھے نہ آتا تو مجھے معلوم ہی نہ ہوتا اور تم جا چکی ہوتیں۔"

"کیا آپ نے مجھے بتایا تھا کہ آپ نے مجھے بھول جانے کا فیصلہ کر لیا تھا؟ پھر میں کیوں بتاتی؟ آپ کی دنیا نے مجھے دیا ہی کیا ہے؟ میں اتنے مہینے آپ کی اور عصرہ بیگم کی ملازمت کرتی رہی صرف آپ کے اس فیصلے کی وجہ سے کیونکہ آپ چاہتے تھے میں آپ کو آریانہ کے بارے میں یاد دلاؤں۔ آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کی وجہ سے میں کس کرب سے گزری ہوں؟"

بادلوں پہ اب بجلی کڑکتی دکھائی دے رہی تھی۔ ہر طرف اندھیرا پھیلنے لگ گیا تھا۔ وہ ایک دم گرجنے لگے تو فاتح نے اوپر دیکھا۔ وہ اصطبل کی چھت تلے کھڑا تھا البتہ تالیہ چوکھٹ پہ تھی۔ نہ وہ اندر تھی نہ باہر۔ وہ کہیں درمیان میں تھی۔

"اور تمہیں اندازہ ہے کہ میں کس اذیت سے گزرا ہوں؟" اس کے سوال کے ساتھ ہی بجلی زور سے چمکی۔ "مگر میں تمہاری طرح نہیں سوچتا کہ کاش میں اس سفر پہ نہ نکلا ہوتا تو یہ نہ ہوتا۔ میں نے اس سب کو قبول کر لیا ہے۔ ابھی چند دن بھی نہیں گزرے کہ میں نے عصرہ کو کھویا ہے' تمہیں یاد بھی ہے؟"

''عصرہ کون؟ وہ عصرہ جنہوں نے مجھے قتل کے کیس میں پھنسایا اور وہ عصرہ جنہوں نے آریانہ کا خون کیا تھا؟'' وہ غصے سے بولی۔ بادل پھر سے گرجے اور ٹپ ٹپ بارش برسنے لگی۔ اس کے انداز پہ وہ لمحے بھر کو خاموش ہوا۔

''ایسے مت کہو۔ اس نے آریانہ کو نہیں مارا تھا۔ میں نے اس بارے میں بہت سوچا ہے۔ وہ صرف اس کو غائب کرنا چاہتی تھی۔ آریانہ کا مرنا ایک حادثہ تھا۔''

''جو آخری چیز میں اس وقت سننا چاہتی ہوں وان فاتح وہ عصرہ کی وکالت ہے۔'' وہ بے زار ہوئی تھی۔

''میں اس کی وکالت نہیں کر رہا۔ مگر اس کے ہاتھ پہ آریانہ کے اغوا کا جرم ہے۔ قتل کا نہیں۔''

''اور جو مجھے اپنی دنیا چھوڑنی پڑی عصرہ کی وجہ سے؟ میں کس کو قصوروار ٹھہراؤں؟ آپ نے ان کی موت کے ساتھ ان کو ہر الزام سے آزاد کر دیا' مگر میں نہیں کر سکتی۔'' بارش کی تیز بوچھاڑ چوکھٹ میں کھڑی لڑکی کو بھگونے لگی۔

''میں نے کہا تھا میں تمہیں اس سے باہر نکال لوں گا۔ تم ایک لمحے کے لئے بھی مجھے خود کو بچانے کا موقع کیوں نہیں دے سکتیں؟''

''کیونکہ مجھے آپ پہ اعتبار نہیں ہے۔ آپ صرف اپنے بارے میں سوچتے ہیں۔ اگر میں نے فیصلوں کے اختیار آپ کو دیا تو آپ ایک دفعہ پھر میرے دل کو روند کے اپنی مصلحتوں میں پڑ جائیں گے۔ اسی لئے اپنے فیصلے میں خود کروں گی۔ آپ کو بابا کے ساتھ جو کھیل بھی کھیلنا ہے' آپ کھیلیں لیکن مجھے واپس لے جانے کے لیے کوئی حکمت عملی نہ بنائیں۔''

وہ غصے اور درد سے تیز تیز کہہ رہی تھی۔ بارش کا پانی اس کو بھگو رہا تھا اور دور کھڑے غلام اور سپاہی بے بسی سے اسے اس نئے مشیر کے ساتھ اجنبی زبان میں باتیں کرتے دیکھ رہے تھے۔

پھر وہ مڑی تو ایک غلام چھاتا لئے فوراً اس کی طرف لپکا۔ مگر شہزادی نے ہاتھ جھلا کے اسے پرے ہٹنے کا اشارہ کیا اور خود سبزہ زار کی طرف بڑھ گئی۔ سینے پہ بازو لپیٹے' بھیگتی ہوئی وہ اب روش کی جانب بڑھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ پانی کہاں تھا اور آنسو کہاں تھے' کچھ معلوم نہ ہوتا تھا۔

سبز ٹیلے کے اوپر چھاتا تانے بیٹھے ایڈم نے ابھی تیرہویں باب کا نام تحریر ہی کیا تھا۔ (''نئے مشیر کی آمد۔'') کہ بارش برسنے لگی تھی۔ اس نے جلدی جلدی کاغذ سمیٹے اور چھاتا تانے دوسری جانب سے پہاڑی سے اترنے لگا۔ اسے کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔

وہ گرتا پڑتا واپس کتب خانے تک آیا اور کاغذ زمین پہ دھرتے ساتھ ہی خود کو جلدی سے کمبل میں لپیٹا۔ آتش دان میں آگ جل رہی تھی۔ وہ وہیں پیر سمیٹ کے بیٹھ گیا۔ اس کو کپکپی چڑھی ہوئی تھی اور ایک دم ٹھنڈ سے ہونٹ جامنی پڑنے لگے تھے۔

تھوڑی دیر گزری اور جسم کو ذرا گرمائش ملی تو اس نے زمین پہ دھرے کاغذات کے پلندے کو دیکھا۔ تیرہویں باب کا پہلا صفحہ سامنے کھلا تھا۔ بارش کے چند قطرے اس پہ گرے تھے اور انہوں نے باب کے نام کو مٹا دیا تھا۔

ایڈم نے چونک کے اس صفحے کو دیکھا۔ باب کے نام کی جگہ سرمئی گیلا دھبہ نظر آ رہا تھا۔ آتش دان قریب تھا اس لیے تھوڑی ہی دیر میں وہ جگہ خشک ہو کے واپس کوری ہو گئی۔

باب کے نام کی جگہ ایک دفعہ پھر خالی ہو چکی تھی۔

☆☆=========☆☆

بارش عشاء کے بعد تک برستی رہی تھی۔ بنداہارا کے محل کے تمام نفوس اپنے اپنے کواڑوں میں دبک کے بیٹھ گئے تھے۔ سارے دالان اور باغیچے جل تھل ہو چکے تھے۔ بیرونی قمقمے اور روشنیاں پانی نے گل کر دی تھیں۔ ایسے میں محل بالکل تاریک ہو چکا تھا۔

محل کی چھت پہ بنے وسیع صحن کی دیواریں کہیں سے بلند تھیں اور کہیں سے چھوٹی۔ ایک جگہ منڈیر کے ساتھ ستون بنے تھے۔ اور اوپر لکڑی کے چھپر تھے جن کے کناروں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ بارش تھم چکی تھی اور سیاہ آسمان اب صاف تھا۔

ایک ستون سے ٹیک لگائے وان فاتح بیٹھا تھا۔ ایسے کہ اس کے ایک طرف محل چھت کا صحن تھا اور دوسری طرف کھائی۔ وہ بالکل خاموشی سے اکڑوں بیٹھا تھا۔ دونوں ہاتھوں میں کوئی چیز پکڑے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہا تھا۔ شاید کوئی سوکھی ٹہنی تھی یا کیا۔ اندھیرے میں معلوم نہیں پڑتا تھا۔

آہستہ سے اس کے ستون کے پیچھے کوئی آ کے بیٹھا۔ آواز نہیں آئی تھی۔ آہٹ بھی نہیں۔ مگر وہ پہچان گیا تھا۔

''کیسی ہو؟''

وہ دونوں اس طرح بیٹھے تھے کہ ایک دوسرے کی طرف پشت تھی اور دونوں کی پشت کے درمیان لکڑی کا ٹھنڈا ستون تھا۔

وہ چند لمحے خاموش رہی۔ ''ٹھیک ہوں۔ اور آپ؟''

بارش کی گرج برس ختم ہو چکی تھی۔ پانی بہت سا گدلا پن بہا لے گیا تھا اور مطلع اب صاف معلوم ہوتا تھا۔

''میں تو ٹھیک ہی تھا۔ تم ناراض تھیں۔'' وہ اس ٹہنی کے پتے انگوٹھے اور انگلی سے دھیرے دھیرے نوچ رہا تھا۔

''سوری۔ میں زیادہ ہی بول گئی۔ مجھے عصرہ کے بارے میں وہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔ عصرہ نے ایک جرم کیا تھا قتل نہیں۔ جرم تو میں نے بھی بہت کیے ہیں۔'' وہ سر جھکائے کہہ رہی تھی۔ ''شاید میں آپ کی طرح عصرہ کو معاف نہیں کر سکی۔ جو میرے ساتھ کیا اس کے لئے بھی نہیں۔ اور جو کسی بچے کی زندگی کو خطرے میں ڈال کے کیا اس کے لئے بھی نہیں۔ میں خود کو

عصرہ سے بہتر نہیں کہہ رہی مگر کسی بچے کی جان کو خطرے میں ڈالنا..... یہ میرے نزدیک ایک نا قابلِ معافی جرم ہے جو کم از کم میں نہیں کر سکتی' اس لئے میں اتنا بول گئی....." پھر اس نے سر جھٹکا۔" مگر مجھے اب ان کو معاف کر ہی دینا چاہیے۔ میرے سارے حساب تو ان سے ختم ہو گئے۔ انہوں نے میری دنیا چھوڑ دی اور میں نے ان کی۔"

ٹھنڈی ہوا تیز چل رہی تھی اور تالیہ کے سیاہ بال اڑ اڑ کے چہرے پہ آنے لگے تھے۔ وہ سیاہ پاجامہ اور قمیض پہنے' رات کا حصہ لگ رہی تھی۔

"ہماری دنیا چھوڑنے سے تم محفوظ ہو جاؤ گی؟"

"کم از کم وہ ڈراما تو مجھے نہیں چھوئے گا جو وہاں میری تاک میں ہے۔ اگر میں دوبارہ جیل گئی تو کبھی اس ذہنی اذیت سے نہیں نکل سکوں گی جس سے مصر کے ان چند دنوں میں' میں نے خود کو زبردستی نکالا تھا۔"

بادل اب ہلکے ہو چکے تھے اور دھیرے دھیرے وہ آسمان سے چھٹ رہے تھے۔ دھندلا سیاہ آسمان اب صاف شفاف سی سیاہی میں بدلنے لگا تھا۔ وہ تنکے توڑتے ہوئے مسکرایا۔

"سب ہمیں کہتے ہیں' تالیہ' کہ غم جتنا بھی بڑا ہو' گزر جاتا ہے۔ یہ ایک فیز ہے اور ہم اس سے نکل آئیں گے۔"

"تو کیا غلط کہتے ہیں؟"

وہ دونوں ستون سے ٹیک لگائے مخالف سمتوں میں دیکھ رہے تھے اور ان کے سروں پہ چھایا سیاہ آسمان تاروں سے جگمگانے لگا تھا۔ بادل دور جا رہے تھے۔

"ہاں' غلط کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ غم کا فیز گزر جائے گا۔ کوئی ہمیں خوشی کے بارے میں یہ نہیں بتاتا کہ وہ بھی جلد گزر جاتی ہے۔ اصل میں خوشی ہوتی ہے جو گزر جاتی ہے۔ غم نہیں گزرتے۔"

"کیا غم کبھی نہیں گزرتے؟"

"ہاں۔ اور ہمیں کوئی اس کے لیے تیار نہیں کرتا۔" وہ دو انگلیوں سے ٹہنی کے پتے نوچ نوچ کے الگ کر رہا تھا۔" ہم غم کے گزرنے کا انتظار کرتے ہیں۔ وہ گزرے گا تو ہم خوش ہوں گے۔ ہمیں سکون ملے گا۔ جبکہ غم کبھی نہیں گزرتے۔ ایک کم ہوتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔"

"مگر دل نہیں ماننا چاہتا کہ غم کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ دل خواب دیکھنا چاہتا ہے۔" وہ سر ستون سے ٹکائے اوپر تاروں کو دیکھنے لگی۔" دل ہپی اینڈنگز پہ یقین رکھنا چاہتا ہے۔ دل کا کیا کریں' وان فاتح؟"

"پتہ نہیں' تالیہ... لیکن میں نے یہ جان لیا ہے کہ مجھے اپنے سارے غموں کو اپنی زندگی کا حصہ سمجھ کے قبول کرنا ہو گا۔ خوش

ہونے کے لئے ان کے گزرنے کا انتظار نہیں کرنا ہوگا۔ ان کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی نئے خواب دیکھنے ہوں گے۔"

"آپ نے ایک عرصہ وزیراعظم بننے کے لئے جدوجہد کی تھی۔" وہ اداس ہوگئی۔ تلخی کی دیوار پگھلی تو اس کے خواب ٹوٹنے کا غم یاد آیا۔

"اور میں نے اس وقت کا ایک عرصہ انتظار کیا تھا۔ ہم میں سے اکثر لوگ یہی کرتے ہیں۔ خواب کے پورا ہونے کے انتظار.... یا کسی غم سے نکلنے کے انتظار میں دوسرا کوئی کام نہیں کر پاتے۔ مگر منزل اہم نہیں ہوتی۔ سفر اہم ہوتا ہے۔ انسان کو خوشی اس پراسیس میں ڈھونڈنی چاہیے جس سے گزر کے وہ کچھ پاتا ہے۔"

ٹہنی کے سارے پتے ختم ہوگئے تو اس نے خشک لکڑی ایک طرف ڈال دی۔ وہ منڈیر سے پھسلی اور ہوا سے لڑھک کے چھت سے نیچے جا گری۔ وہ بھی اب آسمان کے تارے دیکھنے لگا۔ دونوں کے سر اب اوپر کو اٹھے تھے۔

"آپ میرے ساتھ واپس کیوں آئے ہیں' فاتح؟"

"کیونکہ اب میں مستقبل کے بارے میں لمبے منصوبے نہیں بنانا چاہتا۔ حال کو بہتر کرنا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں اس.... اس عجیب زمانے میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔"

"میں یہاں محفوظ ہوں۔ آزاد ہوں۔ آپ کو اس بات پہ یقین کیوں نہیں آتا؟" اس نے زچ ہو کے نہیں بلکہ اداسی سے پوچھا تھا۔ وہ دونوں ایک ہی آسمان کو دیکھ رہے تھے لیکن دونوں کا رخ متضاد تھا۔ نظر کا زاویہ مخالف تھا۔

"کیونکہ یہ تمہاری دنیا نہیں ہے۔"

"میرے پاس یہاں وہ سب ہے جس کا میں نے کبھی خواب دیکھا تھا۔ ایک اونچا محل' ڈھیروں دولت' اور شہزادیوں کی طرح حکمرانی کرنے کی نعمت..... ہاں ایک غم تھا کہ میں بن ماں باپ کے ہوں۔ وہ بھی مٹ گیا۔ اپنا باپ' اور خاندان.... اپنی شناخت مجھے واپس مل گئی۔ میرے لئے یہ ایک بہترین ہیپی اینڈنگ ہے۔ آپ میری کہانی کو یہیں روک کے خود واپس کیوں نہیں چلے جاتے' فاتح؟"

"یہ چیزیں اس تالیہ کے لئے اہم نہیں ہیں جس کو میں جانتا ہوں۔ ایک زمانے میں تمہیں لگتا تھا کہ یہ چیزیں اہم ہیں لیکن تم جانتی ہو کہ یہ چیزیں تمہیں کبھی خوش نہیں رکھ سکیں گی۔"

وہ چند ساعتیں کچھ نہ بولی۔ بس اوپر دیکھتی رہی۔

"آپ کو لگتا ہے آپ چلے جائیں گے تو میں رہ نہیں سکوں گی؟ اس غم اور heartache کے ساتھ؟"

"تم رہ لو گی۔ غم تو ہمارا حصہ ہے جو ہم سے کبھی جدا نہیں ہو سکتا۔ یہ سوگواریت ہمیں اندر سے نرم بناتی ہے۔ ہمیں خود کو دن

کا کچھ حصہ اداس ہونے کی اجازت دے دینی چاہیے۔غم کے ساتھ سب رہ سکتے ہیں' تالیہ۔محلوں میں بھی' جھونپڑیوں میں بھی۔اور غم ہماری دنیا میں بھی ہوں گے۔یہ کبھی ختم نہیں ہوں گے۔"

"تو مجھے یہاں کیوں نہیں چھوڑنا چاہتے آپ؟"اس نے چونک کے گردن گھمائی۔یہاں سے اسے ستون ہی نظر آ رہا تھا۔اس کے پیچھے وان فاتح چھپ گیا تھا۔

"کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ ہم دونوں جہاں رہیں....ساتھ رہیں۔تم میرے ساتھ رہو اور میں تمہارے ساتھ۔"

وہ اب بھی صرف ستون دیکھ سکتی تھی۔یہاں سے بس اس کے لباس کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔

"کیوں؟"

"اتنا سب کچھ ہونے کے بعد....دو زمانوں کا سفر ایک ساتھ کرنے کے بعد....ہم الگ کیسے رہ سکتے ہیں تالیہ؟"

اس کا جواب مبہم تھا۔یا شاید واضح تھا۔وہ گم صم سی ہو کے ستون کو دیکھے گئی۔پھر لباس کی جھلک اوپر کو اٹھی۔تالیہ نے مزید گردن نکال کے دیکھا۔فاتح کی پشت دکھائی دی تھی۔وہ اب کے وہاں سے جا رہا تھا۔

"آپ کیوں مجھے اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں؟اپنی چیف آف اسٹاف کی حیثیت سے؟یعنی میں آپ کے کام کرتی رہوں؟آپ کی ایڈوائزر بنی رہوں؟"اس نے پیچھے سے پکارا۔وہ کچھ سننا چاہتی تھی۔اس کے منہ سے ایک دفعہ کچھ سننا چاہتی تھی مگر اس نے آگے بڑھتے ہوئے محض اتنا کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ رہو....بس....."

"اور اگر میں آپ سے کہوں کہ آپ میرے لیے میری دنیا میں رک جائیں.....تو؟"

فاتح نے جواب نہیں دیا۔وہ آگے بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اندھیرے میں گم ہو گیا اور تالیہ گم صم سی اندھیر خلاء کو دیکھے گئی۔

آسمان پہ چمکتے تارے خاموشی سے منڈیر پہ بیٹھی اکیلی لڑکی کو دیکھ رہے تھے۔

☆☆=========☆☆

صبح فجر قضاء ہوئی' سورج نکلا اور اندھیرا اچھٹ گیا تو ملاکہ کے بازار کی رونق بحال ہونے لگی۔دکانیں کھل گئیں۔خوانچہ فروشوں نے اپنے ٹھیلوں کی چادریں اتار دیں۔ڈھابوں سے کھانوں اور قہوے کی مہک آنے لگی۔گویا سارا شہر جاگ گیا اور کاروبار زندگی بیدار ہو گیا۔

ایسے میں سڑک کنارے ایک ڈھابے کے باہر رکھی میز کرسیوں پہ مراد راجہ بیٹھا تھا۔اس کے سپاہی فاصلے پہ خاموشی سے

براجمان تھے۔ راجہ کے قریب کوئی سپاہی نہ تھا۔ وہ ایک ہاتھ گھٹنے پہ رکھے' دوسرے سے قہوے کی پیالی ہونٹوں سے لگا تا میز پہ بیٹھے افراد کی بات سن رہا تھا۔

پہلے دکان کا مالک اور دو لوگ آگے بیٹھتے تھے مگر اب راجہ کو روز کسی ڈھابے میں بیٹھ کے چائے پیتے دیکھ کے لوگوں کے حوصلے بلند ہوئے تھے۔ آج تو صبح ہوتے ہی رش لگ گیا تھا۔ میلے کچیلے' کسمپرسی کا شکار لوگ جوش و جذبے سے راجہ کو باری باری اپنے مسائل بتا رہے تھے۔

مراد چہرے کو بالکل پرسکون رکھے' پوری توجہ سے ایک ایک کا مسئلہ سنتا' پھر قہوے کا گھونٹ بھرتا' پھر عارف کو اشارہ کرتا جو اس آدمی کا نام پتہ لکھ لیتا۔ اور مسئلہ حل کرنے کی یقین دہانی کرواتا۔ عارف ناخوش تھا مگر مجبوری تھی۔ دور بیٹھے سپاہی جن کے ہاتھ میانوں کے قریب تھے اور حسیات چوکنی' وہ بھی بس زبردستی بیٹھے تھے۔ مراد راجہ البتہ بالکل آرام دہ لگ رہا تھا۔

کچھ لوگ اپنے مسئلے بتا رہے تھے۔ کچھ اپنے حل ہونے والے مسئلوں کا شکریہ ادا کرنے آئے تھے۔ راجہ کی یہ کھلی کچہری ناشتہ ختم ہونے اور چائے کے دو دور مکمل ہونے تک جاری رہی تھی۔

آخری گھونٹ بھر کے اس نے سنجیدگی سے سامنے بیٹھے بوڑھے لکڑہارے کو دیکھا۔

''میں سمجھ نہیں سکا۔ اگر تم چند ماہ پہلے بھی اتنا ہی کماتے تھے' تو اب پریشان کیوں ہو؟''

''کیونکہ راجہ اب خرچ بڑھ گیا ہے۔ محصول زیادہ دینا پڑتا ہے۔ مہنگائی بہت ہوگئی ہے۔''

''ہوں۔ یہ سب چینی قرضے کی وجہ سے ہوا ہے۔'' اس نے گھونٹ بھر کے پیالی رکھی اور قبا کو جھٹکا دیتے ہوئے شکنیں درست کرتا اٹھا۔ سب لوگ ساتھ ہی اٹھے۔

''مگر فکر نہ کرو۔ میں کچھ کرتا ہوں۔ آخر تمہارا راجہ ہی تمہارے لئے کچھ کر سکتا ہے۔ کوئی غیر ملکی نہیں۔'' جتا کے بولا تو وہ لوگ سر جھکا جھکا کے اسے دعائیں دینے لگے۔

مراد مبہم سا مسکرایا۔ ارد گرد لگا جھمگٹھا' سب لوگوں کا خوف اور امید کے درمیان مسئلے بیان کرنا..... پھر ان کے چہروں کی خوشی..... مگر نہیں خوشی نہیں..... ان کی نظروں کی ستائش..... ایک عجیب سا سرور تھا اس سب میں۔

''راجہ۔'' ایک نوجوان نے جاتے جاتے اسے پکارا تو وہ مڑا۔ اسے پیچھے سے پکارے جانا برا لگتا تھا مگر فی الوقت وہ ٹھہر گیا۔ نوجوان نے ڈرتے ڈرتے ایک رول شدہ کاغذ بڑھایا۔ ''میں شاعر ہوں راجہ۔ یہ قصیدہ آپ کی شان میں لکھا ہے۔''

مراد مسکرایا اور عارف کو اشارہ کیا۔ اس نے قصیدہ پکڑا اور کھول کے سنایا۔ وہ زبان و ادب کے حوالے سے چند غلطیوں اور بے ضابطگیوں سے پُر تھا اور کہیں کہیں بے وزن بھی تھا مگر اس میں دل کھول کے راجہ کی تعریف کی گئی تھی۔ مراد نے اس آدمی کو

اشرفیوں کی ایک تھیلی عطا کی اور اپنے گھوڑے کی طرف بڑھ گیا۔مسکراہٹ اس کے لبوں سے جدا نہیں ہو رہی تھی۔

ایک حکمرانی محل کے اونچے چبوتروں پہ بیٹھ کے کی جاتی ہے۔ایک لوگوں کی آراء میں اونچا مقام رکھ کے کی جاتی ہے۔ دوسری کے بغیر پہلی میں مزا نہیں آتا۔اور دونوں ساتھ ہوں تو اس انسان سے زیادہ طاقتور کوئی نہیں ہوتا۔

وان فاتح درست کہتا تھا۔اپنے لوگوں میں مزید مقبول ہونے کے لئے مرادراجہ کو ان غیر ملکیوں کا پتا صاف کروانا تھا۔

☆☆=========☆☆

بندا ہارا کے محل کے ایک طرف جہاں پہاڑی ختم ہوتی تھی وہاں نشیب میں سمندر بہتا دکھائی دے رہا تھا۔اونچی پتھریلی چٹانوں تک پانی آتا' اور اپنی حدود توڑنے میں ناکام ہو کے واپس پلٹ جاتا۔

دوسری طرف جنگل تھا۔تالیہ جنگل سے توڑے پھول گلدستے میں لپیٹی' پہاڑی سے نیچے اترتی دکھائی دے رہی تھی۔اس نے سیاہ اوڑھنی سے سر ڈھک رکھا تھا اور نیچے سفید سادہ باجو کرنگ پہنے' صبح کی واک پہ نکلی معلوم ہوتی تھی۔یہاں آزادی سے گھومنے کے لئے صرف وہی وقت میسر تھا۔

وہ نیچے ساحل پہ پہنچی اور جھک کے پھول ریت پہ رکھے' پھر جوتوں کے تسمے کھولنے لگی۔ہوا تیز تھی۔ایک جھونکے نے گلدستے کو اڑایا اور سامنے لڑھکا دیا۔اس نے تیزی سے پیر جوتوں سے آزاد کیے اور پھولوں کی طرف لپکی۔مگر چند قدم پہ ہی وہ رک گئی۔

سامنے سے فاتح چلا آرہا تھا۔اس رات کی ''ملاقات'' کے بعد اسے آج روبرو دیکھنے پہ سمجھ نہیں آیا کہ کیا ردِعمل دے۔وہ وہیں ٹھہر گئی۔اوڑھنی سے ڈھکے بال تیز ہوا سے باہر نکل نکل کے پھڑپھڑانے لگے اور پیر ریت میں دھنستے گئے۔

وہ سرمئی پاجامے کرتے کے اوپر بنا آستین کے سیاہ جیکٹ پہنے ہوئے تھا جو کہ مقامی لباس تھا۔البتہ اب کے اس کا لباس نفیس اور قیمتی معلوم ہوتا تھا۔بال گیلے کر کے پیچھے کر رکھے تھے اور دھلے دھلائے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔تالیہ کو دیکھ کے وہ وہیں رکا' اور جھک کے نیچے گرے پھول اٹھائے جو دور دور تک بکھر گئے تھے۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ بھی صبح میں یہاں آتے ہیں۔''

''میں تمہاری دو باتوں کا جواب دینے آیا تھا۔'' تین پھول اٹھا کے وہ سیدھا ہوا۔چند قدم دائیں طرف گیا اور جھک کے دو پھول مزید اٹھائے۔

وہ دم سادھے کھڑی اسے دیکھے گئی۔لہروں کا شور اور اوپر جنگل سے آتی آوازیں.....سب پسِ منظر میں چلا گیا تھا۔بس ٹھنڈی ریت تھی.....اور اس پہ ننگے پیر کھڑی ملاکہ کی شہزادی......

''تم نے پوچھا تھا کہ کیا میں تمہارے لئے یہاں رک سکتا ہوں؟ تو اس کا جواب ہے' نہیں۔ کیونکہ یہ میری دنیا نہیں ہے۔ لیکن اگر میں تمہارے لئے نہیں رک سکتا تو تمہیں اس دنیا کو چھوڑنے کا بھی نہیں کہہ سکتا۔'' اس نے آخری پھول ریت سے اٹھائے اور پانی کی طرف آیا۔ پھولوں پہ ریت لگ گئی تھی۔ وہ پنجوں کے بل نیچے بیٹھا اور جھک کے ایک ہاتھ میں چلو بھر پانی لیا۔

''اس لئے آج کے بعد میں تمہیں یہاں سے جانے کو نہیں کہوں گا۔ میں تمہاری مرضی کا احترام کروں گا۔'' فاتح نے بیٹھے بیٹھے پانی احتیاط سے پھولوں پہ ڈالا۔ ریت کے چند ذرے بہہ گئے۔ باقی اٹکے رہے۔

''دوسری بات۔ تم نے کہا کہ میں کیوں چاہتا تھا کہ تم میرے ساتھ یہاں سے چلی آؤ۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ.....'' وہ نرمی سے پھولوں کے اوپر پانی بہا رہا تھا۔ سفید جنگلی پھول دھلتے جا رہے تھے۔ ''کہ میں یہ 'تمہارے' لئے چاہتا ہوں۔ تم نے ہم سب سے دور مصر جا کے.....اپنی ذات کی دریافت کے سفر میں جو کچھ سیکھا تھا' عصرہ کے کیس نے اس سب کو صفر کر دیا ہے۔ تم واپس اسی مقام پہ آ کھڑی ہوئی ہو۔ کیونکہ تالیہ' اگر تم ان الزامات کا مقابلہ نہیں کرو گی تو تم زندگی میں کبھی بھی کسی اور کا مقابلہ نہیں کر سکو گی۔ لیکن...'' اس نے گہری سانس بھری۔ ''میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب میں تمہیں یہ دنیا چھوڑنے کو نہیں کہوں گا۔''

اس نے پنجوں کے بل بیٹھے بیٹھے پھولوں کو جھٹکا دیا۔ پانی کے قطرے ان سے گرنے لگے۔ پھر اس نے سر اٹھا کے مسکرا کے اسے دیکھا جو دم سادھے وہیں کھڑی تھی۔

''اور تم مجھے اپنے بابا کے ساتھ کام کرنے سے روکنے کو نہیں کہو گی۔ نہ مجھے فرار کا مشورہ دو گی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی چوائسز کا احترام کریں گے۔ کیا تم یہ کر سکتی ہو' تالیہ؟''

وہ دھیرے سے اس کے قریب آئی۔ پھر اس کے سامنے گھٹنوں کے بل ریت پہ بیٹھی۔ لب مدھم سے مسکرائے۔ سر اثبات میں ہلا۔

''میں کر سکتی ہوں۔''

''اور میں یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کیونکہ کل رات کے بعد میرا خیال ہے کہ ہم ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہیں۔''

اس نے گیلا گلدستہ تالیہ کی طرف بڑھایا۔ اس نے فاتح سے نظریں ہٹائے بغیر اسے پکڑا اور پھر لب ہلائے۔

''وان فاتح!'' وقفہ دیا تو لہروں کا شور سنائی دینے لگا۔ ''Make a Wish''

اور یوں لگتا تھا وہ اس کی بڑی سے بڑی خواہش بھی پوری کر ڈالے گی۔ اس کے دل پہ جمی ساری ریت فاتح نے جیسے دھو

ڈالی تھی.....

''ہاں....میری ایک خواہش ہے۔'' وہ مسکرا کے کہنے لگا۔وہ دونوں ریت پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔لہریں ان کے قریب لپکتی ہوئی آتیں اور واپس پلٹ جاتیں۔ چھینٹے اڑا اڑ کے انہیں بھگو رہے تھے۔

''کہیے۔''

''کہ ہم دونوں برابری پہ آجائیں۔''

''برابری پہ؟''اس نے ابرو اٹھائے۔

''ہاں۔ہم کبھی بھی برابری کی سطح پہ اپنا رشتہ نہیں رکھ سکے۔اس لئے ہمیں ''تو انکو''اور''شہزادی'' جیسے طرزِ تخاطب سے نکلنا چاہیے۔''

''کیا واقعی؟''وہ چونکی۔

''ہاں۔میں باس تھا اور تم فین گرل تھیں۔''اس نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔

''پھر میں شہزادی بنی اور آپ غلام۔''وہ یاد کر کے بتا رہی تھی۔

''ایسا ہی تھا۔''

''پھر آپ دوبارہ باس بن گئے اور میں آپ کی نائب۔ہم کبھی بھی برابر نہیں رہے۔''

''نہیں رہے۔''وہ اس کے الفاظ دہرا رہا تھا۔

''مگر ہم برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔''

''ہو سکتے ہیں۔اگر ہم دوستوں کی طرح رہیں۔ایک دوسرے کے معاملات میں دخل دیے بغیر ایک دوسرے کو وہ جیسا ہے ویسے کی بنیاد پہ قبول کر کے۔''وہ کہتے ہوئے اٹھا تو وہ بھی ساتھ ہی اٹھی۔ان کے ایک طرف پانی تھا اور دوسری طرف ساحل۔

''میں اِس دنیا میں سیلیبریٹی نہیں ہوں۔تم اِس دنیا میں فین گرل نہیں ہو۔نہ میں اب غلام ہوں نہ تم میرے لئے ناقابلِ رسائی شہزادی ہو۔میرے دوست بہت کم رہے ہیں اس لئے میں شاید دوستی کے آداب سے نا آشنا ہوں۔''ہلکے سے کندھے اچکائے۔''مگر میں کوشش کروں گا کہ میں اچھا دوست بن سکوں۔برابر کا دوست۔''

ہوا اس کے بال اڑا اڑا کے چہرے پہ لا رہی تھی۔اوڑھنی پیچھے گردن پہ جا گری تھی۔

وہ حیران تھی۔یہ عجب خوشگوار سی حیرت کا لمحہ تھا۔اس نے وان فاتح کے ساتھ بہت سے رشتے نبھائے تھے۔بہت سے

کام اکٹھے کیے تھے مگر خادم اور مخدوم کی حیثیت سے۔ تالیہ اور تو انکو کی حیثیت سے۔ وان فاتح کے ساتھ برابری کا کوئی تعلق ممکن تھا؟ اسے نہیں معلوم تھا۔ اور وہ اب یہ معلوم کرنا چاہتی تھی۔

''لیکن اگر ہم اس دنیا سے جانے یا میرے بابا کی سیاست کے بارے میں بات نہیں کریں گے.....تو ہم کس بارے میں بات کریں گے؟ کیونکہ ہم تو ہمیشہ یہی باتیں کرتے آئے ہیں۔ سیاست۔ وقت کا سفر۔''

وہ دونوں ابھی تک آمنے سامنے کھڑے تھے۔ یہاں سے پہاڑی پہ بنا محل نظر آتا تھا لیکن شہزادی کو اب محل کی طرف دیکھنے کی حاجت نہیں رہی تھی۔

''ہم وہ بات کر سکتے ہیں جو ہمارے دل پہ بوجھ کی طرح ہو۔ کیونکہ دوستوں کے پاس انسان دل کا بوجھ ہلکا کرنے ہی جاتا ہے نا۔'' پھر وہ دونوں ایک ہی سمت میں مڑ گئے اور پانی کی گیلی حدود کے ساتھ ساتھ قدم اٹھانے لگے۔

''آپ کے دل کو کیا بات بوجھل کیے ہوئے ہے؟'' اس نے چلتے ہوئے پوچھا۔

''یہی کہ میرے بچے مجھ سے دور چلے گئے اور عصرہ نے ہمیں چھوڑ دیا۔ یہ ایسا غم ہے جو ہمیشہ میرے ساتھ رہے گا۔''

''کیونکہ غم ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں۔'' اس نے یاد کر کے دہرایا۔

''تمہارے دل کو کیا بات بوجھل کیے ہوئے ہے؟'' اس نے چلتے چلتے تالیہ کی طرف گردن موڑی۔ اس کے ساتھ برابر چلنا عجیب تھا مگر اچھا تھا۔ جو بھی تھا' اچھا تھا۔

''بابا نے ایڈم کو زخمی کر دیا تھا جس کی وجہ سے اس کے پاس صرف ایک ماہ ہے اور مجھے اس کی دوا ایک ماہ کے اندر ڈھونڈنی ہے۔'' وہ مختصراً سارا قصہ بتاتی گئی۔

''اوہ۔'' فاتح نے کراہ کے آنکھیں میچیں۔ ''تو یہ بات تھی۔''

''اور اب مجھے یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں سلطان مرسل کو انکار کیسے کروں۔'' وہ ریت پہ چلتے چلتے رکی اور گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

''کیا آپ کبھی ہمارے رشتے کے بارے میں سوچتے ہیں؟''

''تمہارا مطلب ہے کہ تم اس وجہ کو اگر سلطان کے سامنے رکھو تو.....''

''میں نے پوچھا' کیا آپ کبھی ہمارے رشتے کے بارے میں سوچتے ہیں؟''

وہ اپنے قدموں پہ رک گیا۔ پھر مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا۔ ان نظروں سے اندرونی کیفیات کا اندازہ قطعاً نہیں ہوتا تھا۔

''ہاں۔میں سوچتا ہوں۔'' مبہم سا جواب دے کر وہ پانی کی سمت بڑھنے لگا۔اس کے قدم ریت پہ نشان چھوڑتے تالیہ سے دور جا رہے تھے۔

''کیا آپ اپنی دنیا میں واپس جاتے ہوئے مجھے اس رشتے سے آزاد کر جائیں گے؟ ہم نے یہ صرف سلطان مرسل کی وجہ سے کیا تھا۔'' وہ پیچھے سے اسے پکار کے بولی۔سوال پوچھتے ہوئے دل عجیب انداز میں دھڑکا تھا۔

فاتح کے پاؤں پانی میں ڈوب چکے تھے۔اس کی تالیہ کی طرف پشت تھی۔وہ سمندر کے افق پہ نکلتے سورج کو دیکھ رہا تھا۔

''اگر تمہارے اوپر عصرہ کے قتل کا الزام نہ ہوتا اور تم میرے ساتھ ہماری دنیا میں واپس جاتیں' تو کیا تم اس رشتے سے آزاد ہونا چاہتیں؟''

''جی۔'' اس نے بنا تامل کے کہا تو وہ چونکا۔مڑ کے حیرت سے اسے دیکھا۔

''اگر ہماری دنیا میں سب ٹھیک ہوتا' تم تب بھی میرے ساتھ نہ رہتیں؟''

''نہیں۔کیونکہ وہاں میں ہمیشہ ''دوسری عورت'' کے طور پہ جانی جاؤں گی۔آپ کے بچے' اشعر' اور آپ کے فینز.... سب مجھے ایک ایسی عورت سمجھیں گے جس نے عصرہ کی جگہ لی۔مجھے وہ عزت کبھی نہیں ملے گی جو میں چاہتی ہوں۔اس لیے میں کبھی بھی آپ کی دنیا میں آپ کے ساتھ رہنے کا نہیں سوچ سکتی۔'' وہ سادگی سے بتا رہی تھی۔

وہ ابھی تک آدھا گھوم کے اسے تعجب سے دیکھ رہا تھا۔اس کے عقب میں ٹھاٹھیں مارتا سمندر دکھائی دیتا تھا۔

''اور اگر میں یہاں رہ جاؤں.... تمہارے ساتھ.... تو کیا تم اس رشتے کو قبول کر لو گی؟''

اس سوال نے چند لمحے کے لیے تالیہ کا دل مٹھی میں لے لیا۔

''میں آپ کو اپنے لیے کبھی نہیں روکوں گی۔میں اور آپ ایک مجبوری کے تحت اس تعلق میں بندھے تھے۔ہم نہ کبھی ایک کپل تھے' نہ بن سکتے ہیں۔ہم صرف اچھے دوست رہ سکتے ہیں۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ہم صرف یہی بن سکتے ہیں۔'' وہ گہری سانس لے کر واپس پانی کو دیکھنے لگا تو تالیہ کے دل کو دھکا سا لگا۔اسے توقع تھی کہ وہ اس کی بات کی نفی کرے گا۔کچھ اختلافات ہم صرف رد کیے جانے کے لیے پیش کرتے ہیں۔مگر وان فاتح نے اس کی تائید کر دی تھی۔یعنی وہ دونوں کبھی بھی ایک ساتھ نہیں رہ سکتے تھے۔وہ دو دنیاؤں کے دو مختلف باشندے تھے۔ان کا آسمان ایک جیسا نہ تھا۔

''تم سلطان مرسل کو بتا کیوں نہیں دیتیں کہ تم پہلے سے شادی شدہ ہو؟'' وہ موضوع کو وہیں لے آیا جہاں سے اس کا رخ بدلا تھا۔

''سوچ رہی ہوں یہی کہہ دوں۔ مار تو نہیں دے گا وہ مجھے۔''

''یعنی تم واقعی ملاکہ کی ملکہ نہیں بننا چاہتیں؟''

اس کے انداز پہ تالیہ کی ساری خوش اخلاقی ہوا ہوئی۔ آنکھیں اٹھا کے خفگی سے اسے گھورا۔

''مانا کہ وہ ملاکہ کا سلطان ہے....اس کے پاس ہزاروں سپاہیوں کے لشکر ہیں جو اس کے ایک اشارے پہ چاند تارے توڑ کے لا سکتے ہیں' لیکن....''

ایک لہر اٹھ کے آئی اور اس کے پیر بھگو گئی۔ ٹھنڈا یخ پانی پیروں کو برف کر کے پیچھے ہٹ گیا اور تالیہ سن سی وہیں کھڑی رہ گئی۔

''وہ ملاکہ کا سلطان ہے۔ اور وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔'' اس نے بے یقینی سے دہرایا۔ فاتح بغور دیکھنے لگا۔

''تو؟''

''تو مجھے اس سے شادی کر لینی چاہیے۔'' وہ چونک کے بولی۔

''کیا ہوا؟''

مگر تالیہ نے تیزی سے اپنے جوتے اٹھائے اور محل کی سمت قدم اٹھانے لگی۔ گلدستہ اس نے پانی کی طرف اچھال دیا اور خود آگے بڑھتی گئی۔

''کیا مطلب تمہیں اس سے شادی کر لینی چاہیے؟'' وہ ناگواری سے اسے پکار رہا تھا۔

''تالیہ کے پلان ہیں....تالیہ کی مرضی!'' شہزادی مبہم مسکراہٹ کے ساتھ کہتی اس سے دور ہوتی جا رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

کتب خانے کے کونے میں بچھونا بچھا تھا اور اس پہ لحاف میں ڈبکا ایڈم سو رہا تھا جب کسی نے کھڑکی اس کے اوپر کھول دی۔ روشنی اتنی تیز تھی کہ بند آنکھوں سے بھی ایڈم کو محسوس ہوئی تھی۔ اس نے نقاہت سے لحاف اتار کے سر باہر نکالا۔

''اٹھو' ایڈم۔ تمہیں ایک کام کرنا ہے۔''

کمزور سا ایڈم حیرت سے اٹھ بیٹھا۔ ''کیا ہمیں دوا مل گئی؟'' مگر پھر اس کا چہرہ بجھ گیا۔ ''لیکن اتنی جلدی کیسے مل سکتی ہے۔ اس میں تو بہت وقت لگے گا۔''

''ریاضی پڑھی تھی نا بچپن میں؟'' وہ اس کی میز سے قلم دوات الٹ پلٹ کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''ایک سادہ سا ریاضی کا سوال ہے۔ اگر ایک آدمی ایک گھنٹے میں ایک اینٹ بناتا ہے تو دس گھنٹے میں کتنی اینٹیں بنائے گا؟''

''دس۔لیکن۔کون سی اینٹ ہے جو ایک گھنٹے میں بن جاتی ہے۔''

''اونہوں۔مثال دے رہی ہوں۔اگر دس کی جگہ سو آدمی اینٹیں بنانے لگ جائیں تو ایک گھنٹے میں کتنی اینٹیں بن جائیں گی؟''

''سو۔''

''ہمارے پاس ایک ماہ ہے مگر ہم دو ہیں۔بلکہ۔''اس کے کمزور وجود کو دیکھا۔''بلکہ قریباً ڈیڑھ ہی ہیں۔''

پھر آنکھوں میں چمک اتری اور لبوں پہ مسکراہٹ۔''مگر وہ کون ہے جس کے پاس سارے ملاکہ کی حکومت ہے' دولت ہے' اور ہزاروں کی فوج ہے؟''

''سلطان مرسل شاہ؟''

''ہاں۔اور وہ میری تمام شرائط ماننے کو تیار ہے۔''

''کون سی شرائط؟''

''وہی جو میں ابھی اس کے سامنے رکھنے جا رہی ہوں۔''وہ مسکرا کے کہتے ہوئے اس کے سامنے آلتی پالتی کر کے بیٹھی اور کاغذوں کا دستہ گھٹنے پہ رکھا۔پھر قلم سیاہی میں ڈبو ڈبو کے لکھنے لگی۔

''اگر آپ میری یہ سات مانگیں پوری کر سکیں جن کا سوال میں آپ سے کر رہی ہوں سلطان معظم' تو میں آپ سے شادی کر لوں گی۔دوسری صورت میں' میں ہمیشہ کے لئے ملاکہ چھوڑ کے چلی جاؤں گی۔اور آپ چاہیں بھی تو مجھے نہیں ڈھونڈ سکیں گے۔''

ایڈم سیدھا ہو کے بیٹھا اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔''آپ میری دوا کے اجزاء سلطان سے مانگیں گی؟''

''ڈائریکٹلی نہیں مانگ سکتی۔بالخصوص طلائی گلاب تو بالکل نہیں مانگ سکتی ورنہ اس کو اندازہ ہو جائے گا کہ ہم کسی جادو والے کام میں ملوث ہیں۔اس لئے میں چار ایسی مانگیں رکھوں گی جو اجزائے ترکیبی سے متعلق ہیں۔پہلی شرط۔مچھروں کے سات بھرے ہوئے طشت۔ایک سو آدمی اگر اکٹھے مچھر پکڑنے لگ جائیں تو ہفتے بھر میں طشت بھر کے لا سکتے ہیں۔ہمیں دوا کے لئے سات طشت چاہیے ہیں۔''

''Yuck''ایڈم نے برا منہ بنایا تو تالیہ نے ابرو اچکائے۔

''کیا تمہیں بھول گیا کہ تم نے مجھے گراس ہوپرز کھلائے تھے؟''

وہ اسے گھور کے رہ گیا۔

''دوسری شرط۔ جامنی پھول کے رس کی سات بوتلیں۔ ایک پھول سے ایک قطرہ نکلتا ہے۔ سلطان کی فوج کے سینکڑوں آدمی اکٹھے لگ جائیں تو یہ کام بھی ہو جائے گا۔ تیسری شرط..... جرثوموں کے دل سے بھرے سات طشت..... چوتھی شرط... کنواری عورتوں کے آنسوؤں سے بھری سات بوتلیں۔'' وہ رکی۔ اور گننے لگی۔

''باقی تمام اشیاء میرے سپاہی خود ڈھونڈ لیں گے۔ ان چار چیزوں کے علاوہ صرف طلائی گلاب (ماوراِ مس) ہے جو ہمیں چاہیے۔'' وہ کچھ سوچنے لگی۔ پھر مسکرائی۔

''طلائی گلاب ابوالخیر کے پاس ہے۔ جس کے سونے' چاندی کے ڈھیر اور غلاموں کی کثرت اس کو طاقتور بناتے ہیں۔ اگر یہ اس سے لے لئے جائیں تو میں اس سے طلائی گلاب آسانی سے حاصل کر سکتی ہوں۔''

''وہ کیسے؟'' اور پھر ایڈم کو یاد آیا۔ وہ جو اس نے بنگارایا ملایو میں پڑھا تھا۔

''پُل۔''

''ہاں۔ سونے کا پل۔'' وہ مسکرائی۔ ''مجھے اب سمجھ آیا کہ شہزادی تاشہ نے..... یعنی..... میں نے وہ عجیب شرط کیوں رکھی تھی۔ پانچویں شرط یہ تھی کہ میرے محل سے سلطنت محل تک سونے کا ایک پل تعمیر کیا جائے۔ جس پہ چل کے میں سلطان سے ملنے جاؤں۔ اور چھٹی شرط۔ ایک چاندی کا پل جس پہ چل کے میں واپس آسکوں۔ ان پلوں کی تعمیر کے لیے سلطان کو سونا چاہیے' چاندی چاہیے اور اس بے گار کے لئے غلام چاہیے ہیں۔ تینوں چیزیں اسے ایک ساتھ ابوالخیر سے مل جائیں گی۔''

''ابوالخیر آسانی سے اسے یہ سب دے دے گا؟''

''ظاہر ہے وہ انکار کر دے گا۔ اس لیے سلطان ابوالخیر کو ڈالے گا جیل میں اور اس کا سب کچھ ضبط کر لے گا۔ طلائی گلاب غیر محفوظ ہو جائے گا اور میں اسے حاصل کر لوں گی۔'' تالیہ کا پلان تیار تھا۔ ایڈم چند لمحے کچھ بول نہ سکا۔

''اور آخری مانگ؟''

''میں نے اس بارے میں بھی سوچا ہے۔ لیکن دیکھو ایڈم..... میری ساتویں اور آخری مانگ دراصل سفاک نہیں ہے۔ بلکہ ناممکن ہے۔ میں نے سلطان سے خون کا ایک پیالہ مانگنا ہے۔ سلطان مرسل شاہ کے اپنے خون کا پیالہ جس میں ان کے والدین کے خون کی آمیزش ہو۔ اپنا خون نکالنے کے لئے سلطان کو خود کو مارنا پڑے گا اور وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا۔''

''بنگارایا ملایو کے مطابق اس نے آخری مانگ پوری نہیں کی تھی۔''

''ہاں۔ آخری مانگ پوری کرنے کے لئے جب وہ اپنی کلائی کاٹنے لگا تھا تو شہزادی تاشہ نے بروقت اس کے پاس جا کے اس کو بچا لیا تھا اور اسے کہا تھا کہ وہ ایسے نہ کرے۔ وہ تو صرف اس کا امتحان لے رہی تھی۔ یوں سلطان بھی بچ گیا اور ان کی

شادی بھی نہیں ہوئی۔ یہ شرط رکھی ہی اس لیے گئی تھی کہ سلطان اسے پورا نہ کر سکے۔"

"آپ کو یقین ہے کہ وہ خود کو نہیں مارے گا؟"

"وہ کتاب جھوٹ نہیں بولتی۔شہزادی تاشہ اسے بچا لے گی اور سلطان مرسل ایسے نہیں مرا تھا۔وہ بعد میں کسی اور طریقے سے مرا تھا۔اس لئے میرے یہ سوال بالکل محفوظ ہیں۔کچھ غلط نہیں ہوگا۔"

"چے تالیہ.....کیا میری دوا کے لئے اتنا بڑا خطرہ مول لینا ٹھیک ہے؟آپ کو میرے لئے سلطان سے اتنا بڑا ٹاکرا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"تمہاری دوا کے لئے میں سب کچھ کروں گی ایڈم۔دوسری دنیا میں وقت تھما ہوا ہے اور تمہارے والدین منتظر ہیں۔میں تمہیں یہاں سے ٹھیک کر کے ہی بھیجوں گی۔مجھے میرا وعدہ نبھانے دو....."

ایڈم نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔"اب مجھے کیا کرنا ہے؟"

"تمہیں میری یہ شرائط لے کر سلطان کے پاس جانا ہے۔میں بابا کے کسی قاصد کو نہیں بھیجنا چاہتی کہ وہ کہیں کچھ غلط نہ کر ڈالے۔مجھے صرف تم پہ اعتبار ہے۔"وہ اب سر جھکائے تیز تیز قلم کاغذ پہ رگڑ رہی تھی۔ایڈم راضی نہیں لگتا تھا مگر اس کے پاس اختلاف کرنے کے لیے کوئی نقطہ نہیں بچا تھا۔

☆☆=========☆☆

سلطنت محل کے دربار میں لاٹھی کے سہارے قدم قدم چلتا ایڈم بن محمد آگے بڑھ رہا تھا۔اس کی ایک بغل تلے بیساکھی تھی اور دوسرے ہاتھ میں تہہ شدہ مراسلہ تھا۔وہ یرقان کے مریض کی طرح زرد لگتا تھا۔

تخت پہ مرسل شاہ براجمان تھا اور مشروب کے گھونٹ بھرتا دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔شاہی مورخ بیمار لگتا تھا مگر سلطان کی دلچسپی اس مراسلے میں تھی جو وہ ساتھ لایا تھا۔

"شہزادی تاشہ کی سات مانگیں۔"ایڈم نے پڑھ کے سنانا شروع کیا۔پھر بیٹھنے کی اجازت مانگی۔اس سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔سلطان نے اجازت دے ڈالی۔

"میری پہلی مانگ یہ ہے کہ مجھے مچھروں کے دماغ سے بھرے سات طشت چاہیے ہیں۔"

ایڈم اب مورخ کی کرسی پہ بیٹھا مراسلے کی شرائط پڑھ کے سنا رہا تھا۔مرسل چھیل کے تخت پہ براجمان' طشت سے انگور اٹھا اٹھا کے منہ میں رکھتا سن رہا تھا۔

"دوسری مانگ۔مجھے سبا کے جنگلوں میں اگنے والے جامنی زہریلے پھول کے رس کی سات بوتلیں درکار ہیں۔"

سلطان نے مسکرا کے چمکتی آنکھوں سے اثبات میں سر ہلایا۔

''تیسری مانگ۔ مجھے کنواری عورتوں کے آنسوؤں سے بھری سات بوتلیں دی جائیں۔''

(صبح ہوتے ہی شہزادی کے حکم پہ مزدور لگ گئے اور اس راستے کو توڑنے لگے تھے جو بند اہارا کے محل سے سلطنت محل کو جاتا تھا۔ تالیہ اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑی مسکرا کے سارے عمل کا جائزہ لے رہی تھی۔)

''چوتھی مانگ۔ مجھے جرثوموں سے بھرے سات طشت چاہیے ہیں۔''

(اپنے حرم کے باغیچے میں یان سوفو بے چینی سے دائیں بائیں ٹہل رہی تھی۔ وانگ لی اس کو رازداری سے ایک ایک شرط پڑھ کے سنا رہا تھا۔ آخری شرط پہ ملکہ ٹھٹکی۔ پھر اس کا رنگ بدلا۔ وہ مسکرائی۔ آنکھیں چمکی۔ وانگ لی نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''شرائط رکھنے کا مطلب ہے شہزادی سلطان سے شادی کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہمیں کچھ کرنا ہوگا' ملکہ۔''

''شہزادی تاشہ کو ابھی معلوم نہیں کہ وہ کیا مانگ بیٹھی ہے۔ ہمیں کچھ نہیں کرنا۔ بس خاموشی سے تماشا دیکھنا ہے۔'' وہ کہہ رہی تھی اور وانگ لی تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔)

''میری پانچویں مانگ یہ ہے کہ آپ کے محل سے میرے محل تک ایک سونے کا پل تیار کیا جائے جس پہ چل کے آپ میرا ہاتھ مانگنے مجھ تک آسکیں۔''

(ابوالخیر کی حویلی اس وقت مسلح فوجیوں سے بھری تھی۔ شاہی سپاہی اس کے غلاموں کو حراست میں لے رہے تھے اور صندوق کے صندوق لادے باہر جا رہے تھے۔ ابوالخیر کے چہرے پہ کالا کپڑا باندھے اسے گرفتار کر کے گھوڑا گاڑی میں بٹھایا جا رہا تھا۔ وہ چیخ رہا تھا۔ غرا رہا تھا مگر اس کی بات نہیں سنی جا رہی تھی۔)

''میری چھٹی مانگ یہ ہے کہ میرے محل سے آپ کے محل تک ایک چاندی کا پل تعمیر کیا جائے جس پہ چل کے میں آپ کے محل آسکوں۔''

(ابوالخیر کی حویلی کے ایک اندرونی کمرے کے وسط میں سونے کا گملا رکھا تھا۔ گملے کے اندر بڑے بڑے تین سنہری گلاب کھلے تھے۔ دالان کے کنارے پہ سہمے ہوئے تین بے بس غلام کھڑے تھے۔ شہزادی کے سپاہیوں نے ان پہ تلواریں تان رکھی تھیں۔ ان کا مالک قید میں تھا اور وہ بے بسی سے شہزادی کو اندر آتے دیکھ رہے تھے۔ وہ مسکراتی ہوئی قریب آئی اور جھک کے ایک پھول توڑا۔ پھر اسے احتیاط سے پوٹلی کے اندر ڈالا۔)

''میری ساتویں مانگ یہ ہے کہ مجھے خون سے بھرا ایک پیالہ چاہیے۔ وہ خون خالص ترین ہو اور اس سلطنت میں سب

سے خالص خون سلطان مرسل شاہ کا ہے جس میں ان کے نیک والدین کے خون کی آمیزش ہے۔ مجھے اس پاک خون کا ایک پیالہ اگر آقا فراہم کر دیں تو میں ان سے شادی کے لیے تیار ہوں۔"

(ایڈم سلطنت محل کے برآمدے کے زینوں پہ بیٹھا اپنے دستے پہ کچھ لکھ رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کے دیکھتا۔ محل میں معمول سے کہیں زیادہ غلاموں اور سپاہیوں کی دوڑیں لگتی نظر آ رہی تھیں۔ روز نئے سپاہی بلائے جاتے اور انہیں سونا پگھلا کے پل بنانے سے لے کر جرثومے اور آنسو اکٹھا کرنے بھیج دیا جاتا۔ ایڈم سر جھکائے واپس اپنا کام کرنے لگ گیا۔ ملاکہ سلطنت میں ہر کسی کی زبان پہ شہزادی تاشہ کی مانگوں کا چرچا تھا۔ ان واقعات کو تاریخ میں رقم کرنا ضروری تھا۔)

"میرا مورخ ان مانگوں کی تکمیل تک سلطنت محل میں رہے گا اور ان تاریخی واقعات کو آئیندہ آنے والی نسلوں کے لیے کتاب میں محفوظ کرے گا۔ مورخ کی طبیعت ناساز ہے اس لیے میری سلطان سے درخواست ہے کہ اس کا پورا خیال رکھا جائے۔"

(شہزادی تاشہ اپنے محل کی بالکونی میں کھڑی مسکرا کے نیچے پہاڑی کے دامن کو دیکھ رہی تھی۔ راستہ منہدم تھا اور وہاں نیا راستہ تعمیر کرنے کا کام شروع ہو چکا تھا۔ طشت بھر بھر کے مطلوبہ اشیاء سپاہی لا رہے تھے۔ اور اسے انگلی ہلانے کی ضرورت بھی نہ پڑی تھی۔ سلطان کے سپاہی لاعلمی میں ایڈم کی دوا بنا رہے تھے۔ اور وہ بازو سینے پہ لپیٹے مسکرا کے وقت کے گزرنے کا انتظار کر رہی تھی۔ ہر شے ان کے حق میں جا رہی تھی۔)

"اپنی شہزادی سے کہو کہ مجھے ان کی مانگیں بہت دلچسپ لگی ہیں۔ اور میں ان کو پورا کروں گا۔ آخری نقطے تک۔"

اور ایڈم نے ان الفاظ پہ سلطان مرسل کو دیکھتے ہوئے افسوس سے سوچا تھا۔ (بنگارایا ملایو کے مطابق ان مانگوں کو پورا کرتے کرتے مرسل شاہ نے اپنی سلطنت کو تباہ کر ڈالا تھا اور لوگوں کو اپنے خلاف کر دیا تھا۔ سونے اور چاندی کے پل چند فٹ تک ہی تعمیر ہو سکے تھے۔ اور آخر میں سلطان کی تاشہ سے شادی بھی نہ ہو سکی تھی۔ یعنی اس آدمی کا تختہ ایک عام سے انسان ایڈم بن محمد کی دوا کے لیے الٹا جا رہا ہے اور اسے خبر بھی نہیں۔ آہ۔)

☆☆=========☆☆

ملاکہ کا بازار اس دوپہر خوانچہ فروشوں کی صداؤں سے گونج رہا تھا۔ فاتح اپنے سیاہ گھوڑے پہ سوار بازار کی مرکزی گلی میں داخل ہوا تو لوگ ہٹ ہٹ کے راستہ دینے لگے۔ وہ خاموش نظروں سے اسے دیکھتے جو سیاہ قبا دونوں کندھوں پہ ڈالے سپاٹ چہرے کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا' اور پھر آپس میں کھسر پھسر کرتے۔ وہ یقیناً کہہ رہے تھے کہ کبھی یہ جیا کا غلام فاتح ان کی طرح کا ہوتا تھا اور اب یہ راجہ کا مشیر بن چکا ہے۔ اب یہ محل والوں میں سے ہو گیا ہے۔

وہ ان کی نظروں میں لکھے شکوے پہچانتا تھا مگر عرصہ ہوا آزاد فاتح نے خود کو لوگوں کی آراء سے آزاد کرنا بھی سیکھ لیا تھا۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

ایک ڈھابے کے باہر بچھی میز تک وہ آیا اور انگلی سے دکاندار کو اشارہ کیا۔ (ایک چائے)۔

دکاندار فوراً باورچی کو اس کی مانگ بتانے لگا۔ ایسے میں فاتح کہنیاں میز پہ رکھے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس کی متلاشی نظریں ایک سے دوسری کرسی تک جا رہی تھیں' پھر وہ ٹھہرا۔ مسکرا کے ایک لڑکے کو ہاتھ ملایا۔ وہ لڑکا اسے دیکھ کے حیران رہ گیا۔ پھر ایک دم اپنی میز چھوڑ کے اس کی طرف لپکا۔

''آپ یہاں؟'' وہ حیرت سے کہتا اس کے سامنے بیٹھا۔ وہ ابوالخیر کی حویلی میں اس کے ساتھ کام کرتا تھا۔

دونوں رسمی باتیں کرنے لگے۔ پھر وہ لڑکا کہنے لگا۔

''میں نے سنا تھا کہ آپ کو راجہ نے محل میں تعینات کر لیا ہے مگر یقین نہیں آیا تھا۔''

وہ کہتے کہتے چپ ہو گیا۔ تو فاتح مسکرایا۔

''میں اب بھی وہی ہوں جو پہلے تھا۔ تمہیں آزاد کروانے کا وعدہ کیا تھا۔ پورا کیا نا؟''

''ہاں مگر آزاد ہو کے ہمیں کیا ملا؟ کوئی ڈھنگ کی نوکری تک نہیں دیتا جس میں چار پیسے جوڑ لیں۔''

''تم میرے لئے کام کیوں نہیں کرتے؟'' وہ میز پہ کہنیاں جمائے اس کی آنکھوں میں دیکھتا کہہ رہا تھا۔

''کیسا کام؟''

''تمہیں ابوالخیر اکثر پیغام رسانی کے لئے سن باؤ اور دوسرے امراء کے پاس بھیجا کرتا تھا۔ تم ان بڑے لوگوں سے بات چیت میں اچھے ہو۔ تم آسانی سے کسی کے بھی ہاں بظاہر نوکری حاصل کر سکتے ہو۔ لیکن اندر سے تم میرے لیے کام کرو گے۔''

''آپ کہہ رہے ہیں کہ میں آپ کے لئے کسی کی جاسوسی کروں؟'' وہ دنگ رہ گیا۔

''ہاں۔''

''کس کی؟''

''سن باؤ کی۔ میں اس کے معمولات جاننا چاہتا ہوں۔ بلکہ اس کے بارے میں ہر چیز جاننا چاہتا ہوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ سن باؤ کسی شے کو چھپا رہا ہے۔ شہر سے دور کسی جگہ پہ اس نے کچھ چھپا رکھا ہے۔ میں اس شے کو تلاش کرنا چاہتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تم میری مدد کر سکتے ہو۔'' دکاندار چائے لے آیا تو وہ خاموش ہوا۔ نوجوان قدرے متذبذب نظر آتا تھا۔ پھر اس نے سوچتے ہوئے سر ہلایا۔

''میں سوچوں گا۔''

''وقت کم ہے۔ تمہیں تنخواہ بھی ملے گی اور مراعات بھی۔ لیکن اگر تم نے آج رات تک فیصلہ نہ کیا تو میں یہ کام کسی اور کو دے دوں گا۔ سوچ لو۔'' وہ چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''میں رات تک بتاتا ہوں۔'' اس نے تیزی سے کہا تھا۔

وان فاتح کے پاس سے وہ نوجوان غلام جب اٹھا تو تیزی سے بازار کی طرف چل دیا۔ احتیاط سے اس نے تین راستے بدلے اور کچھ دیر بعد وہ سن باؤ کی حویلی کے سامنے کھڑا تھا۔

''وہ مجھ سے آپ کی جاسوسی کروانا چاہتا ہے' سن باؤ۔'' وانگ لی کو ساری کتھا سنا کے اس نے ہاتھ باندھ کے کہا تھا۔ ''اس کو معلوم نہیں ہے کہ ابھی دو دن پہلے آپ نے مجھے ملازمت پہ رکھا ہے۔''

''ہوں۔'' چینی سفیر نے حقے سے تمباکو کا کش بھرا اور دھواں باہر خارج کیا۔ پھر سوچتے ہوئے بولا۔ ''تم اس کو کہو کہ تم نے اس کی پیشکش قبول کر لی ہے۔ اس سے رقم بھی لے لو۔ اس کے سامنے ظاہر کرو کہ تم مجھے دھوکہ دے رہے ہو۔ اور اس کو تم نے وہی بتانا ہے جو میں کہوں۔ اور مجھے وہ بتانا ہے جو وہ تمہیں بتائے۔ ہر بات۔ ہر حرکت۔ سمجھے؟'' آخر میں اس نے اپنی چھوٹی آنکھوں سے نوجوان کو گھورا تو اس نے جلدی سے سر جھکا دیا۔

''جو حکم میرے آقا۔'' اور الٹے قدموں پیچھے ہٹ گیا۔

''غلام فاتح۔ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟'' دھوئیں کے مرغولے اڑاتا وہ سوچ رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

سلطنت محل کی اس بالکونی میں کھڑے ہونے والے کو محل کے عقبی حصے میں ہوتا تعمیراتی کام صاف دکھائی دیتا تھا۔ اس محل کے عقب سے بنداہارا کے محل تک ایک راستے کا تعین کیا گیا تھا جس کو توڑ پھوڑ کے اس کی جگہ سونے کا پل تعمیر کیا جا رہا تھا۔ یہ گزرگاہ عام عوام کی پہنچ سے دور تھی اور اس وقت سینکڑوں سپاہی اس کام پہ مامور تھے۔

بالکونی میں مرسل شاہ کرسی ڈالے بیٹھا نیچے دکھائی دیتے کام کا جائزہ لے رہا تھا۔ ایک طرف زمین پہ دوزانو بیٹھا ایڈم چوکی پہ رکھے کاغذات پہ کچھ لکھ رہا تھا۔ گاہے بگاہے وہ نظر اٹھا کے سلطان کو دیکھتا' پھر دوسری جانب بت بنے کھڑے محافظوں کو اور پھر خاموشی سے اپنا کام کیے جاتا۔ اس کا کام ان تاریخی شرائط کو عمل درآمد ہوتے دیکھنا اور ان کو تاریخ میں رقم کرنا تھا۔

مرسل شاہ بازوؤں کا تکیہ بنائے سر کے پیچھے رکھے مسکرا کے نیچے دیکھ رہا تھا۔ منڈیر پہ جام دھرا تھا جس میں پھلوں کا تازہ رس اس کا منتظر تھا لیکن وہ اتنا پرجوش نظر آتا تھا کہ بھوک' پیاس سب اڑ چکی تھی۔ دفعتاً اس نے گردن موڑی اور دلچسپی سے سر

جھکا کے لکھتے ہوئے مورخ کو مخاطب کیا۔

"شاہی مورخ....شہزادی تاشہ نے وہ شرائط تمہارے ہاتھ بھجوائی تھیں۔"

ایڈم نے سر اٹھایا۔ وہ نحیف اور لاغر سا ہو چکا تھا۔ بال اڑے اڑے سے تھے اور رنگت مزید سانولی ہوتی جا رہی تھی۔ آنکھوں میں ویرانی ہی ویرانی تھی۔

"جی....آقا۔"

"کیوں؟ حالانکہ تم شہزادی کے خاص خادم بھی نہیں ہو۔"

محافظوں نے ایک خاموش نظر سلطان پہ ڈالی جو ایک مورخ سے براہ راست گفتگو کر رہا تھا مگر بولے کچھ نہیں کہ مقام نہ تھا۔

"شہزادی مجھ پہ بہت بھروسہ کرتی ہیں۔"

"اچھا وہ کیوں؟" مرسل کرسی پہ آدھا گھوم گیا اور دلچسپی سے ایڈم کو دیکھا۔

"کیونکہ میں غم اور خوشی دونوں میں سچ بولنے کا قائل ہوں۔ اس لیے شہزادی کو لگتا ہے کہ میرا مشورہ ہمیشہ سچا ہوگا اور میری نصیحت کبھی بے معنی نہ ہوگی۔"

"بہت دلچسپ۔ تم کہاں سے مل گئے تھے شہزادی کو؟"

ایڈم نے قلم رکھ دیا اور سر جھکا دیا' ایسے کہ لبوں پہ اداس مسکراہٹ در آئی۔

"شہزادی کے بابا نے ان کو تعلیم و تربیت کے لیے جس گاؤں میں بھیجا تھا....میں وہاں کا باشندہ ہوں۔ وہاں امراء کی ایک محفل میں میں ان سے پہلی دفعہ ملا تھا اور میں نے گستاخی یہ کی کہ میں انہیں ایک کنیز سمجھا۔ انہوں نے مجھے اس کے لیے معاف نہیں کیا۔ تب تک نہیں جب تک کہ میں ان کی غلامی میں نہ آ گیا۔"

"کیا پسند آیا تھا شہزادی کو تم میں؟" مرسل شاہ نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

"شاید یہ بات کہ میں سوال بہت پوچھتا تھا۔ آپ سے ایک سوال پوچھوں آقا؟"

اس مقام پہ جان جانے کا ڈر کافی کم ہو چکا تھا۔ جان ویسے ہی اب غیر یقینی ہو چکی تھی۔

"پوچھو۔ ہم بھی تو سنیں کہ تمہارے سوال کیسے ہیں۔"

ایڈم کھنکھارا۔ "اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں خوشی اور غم دونوں حالتوں میں سچ بولنے کا حکم دیا ہے۔ چاہے سامنے اپنا ہو یا دشمن۔ ایک سچ میں آپ سے بولنا چاہتا ہوں۔"

اس نے منڈیر سے نیچے دیکھا جہاں دور سپاہی کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔

''آپ ایک عورت کے حصول کے لیے اپنی سلطنت کے سارے اثاثے گنوا رہے ہیں۔ کیا یہ سب آپ کے لیے فائدہ مند ثابت ہو گا' آقا؟''

مرسل شاہ نے نگینوں سے سجی پگڑی اتار کے منڈیر پہ رکھی اور سیاہ لمبے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔ پھر مسکرایا۔

''شہزادی تاشہ کے حصول کے لیے جو شرائط بھی رکھی جائیں' ان کو پورا کرنا قانون کے مطابق بالکل درست ہے۔ اگلی کوئی حکومت میرے اوپر مقدمہ نہیں چلا سکتی۔ نہ ہی میرے جرنیل یا وزراء میرے خلاف قاضی کے پاس جاسکتے ہیں۔''

ایڈم نے سر ہلا دیا۔ وہ جانتا تھا کہ ملاکہ کے قانون کے مطابق شادی کی شرائط پورا کرنا سلطان کا فرض تھا۔

''مگر آقا.....میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ.....ایک عورت کے لیے آپ اپنی سلطنت کا سارا مال و متاع گنوا تو نہیں بیٹھیں گے؟ دراصل میں آپ کو ایک مخلصانہ رائے دینا چاہتا ہوں۔ بے شک میں نے ہی وہ شرائط پڑھ کے سنائی ہیں.....''(اور دل میں ایڈم نے سوچا کہ بے شک میری دوا کے لیے ہی وہ شرائط رکھی گئی ہیں) ''لیکن جس طرح آپ اپنی دولت لٹا رہے ہیں' مجھے خوف سا آنے لگا ہے۔''

وہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ بنگارایا ملایو کے مطابق سلطان نے اپنا سب کچھ سونے کے اس پل کو بنانے کے پیچھے گنوا دیا تھا اور بالآخر اس کی حکومت تک اس کے ہاتھوں سے نکل گئی تھی۔

''آہ.....شاہی مورخ.....عورتوں کی طرح تمہیں بھی یہ خوش فہمی ہے کہ یہ دنیا عورتوں کی خواہشات کے گرد گھومتی ہے۔'' مرسل مسکرا کے دور افق کو دیکھ رہا تھا۔ زمین پہ بیٹھے ایڈم نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

''مگر آقا.....شہزادی کی آخری مانگ تو آپ کبھی پوری نہیں کر سکتے۔ پھر باقی مانگیں پوی کرنے کا فائدہ؟''

مرسل نے دھیرے سے گردن موڑی اور چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''کس نے کہا کہ میں آخری مانگ پوری نہیں کر سکتا؟''

یہ کہہ کے وہ اٹھا' اپنی قبا سے نادیدہ گرد جھاڑی اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ایڈم اٹھ نہیں سکا۔ اسے بیٹھے رہنے کی رخصت حاصل تھی۔ دروازے تک پہنچ کے مرسل رکا' اور مسکرا کے ایڈم کو دیکھا۔

''سنو اپاہج انسان.....میں نے شہزادی تاشہ سے ساتوں مانگیں پوری کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ میں ساتوں پوری کروں گا۔ تمہاری حالت خراب لگتی ہے لیکن میری خواہش ہے کہ تم ان مانگوں کے پورا ہونے تک زندہ رہو۔''

وہ ازلی بے نیازی سے کہہ کے چلا گیا اور ایڈم بس اسے دیکھ کے رہ گیا۔ اس آدمی کی سلطنت میں کیا ہو رہا تھا' غریب کو کیا

چاہیے' انصاف کے لیے لڑتے لوگوں کا درد کیا ہے.....اسے کسی چیز کی پرواہ نہ تھی۔وہ سونے کے کھلونے بنا رہا تھا۔اسے صرف اپنے کھیل سے غرض تھی۔

''تم واپس کیوں آ گئے؟ تمہاری دیکھ بھال نہیں ہو رہی وہاں کیا؟'' ایڈم کو واپس اپنے محل میں دیکھ کے وہ حیران رہ گئی تھی۔

''آپ کے راستے منہدم کروانے سے واپس آنے میں مشکل پیش آئی۔شکر ہے مراد راجہ نے جنگل والا راستہ بچا لیا تھا ورنہ سلطان کے پاگل پن نے تو سب کو مفلوج کر دیا ہے۔'' وہ جلے کٹے انداز میں کہتا لاٹھی نیچے رکھ رہا تھا۔وہ دونوں ایک دیوان خانے میں موجود تھے اور ایڈم نے داخل ہوتے ہی بیٹھنے کے لیے ٹھنڈی زمین کا ایک قطعہ ڈھونڈا تھا۔اس سے زیادہ دیر کھڑا نہیں ہوا جاتا تھا۔

''کیسا ہے سلطان؟'' اس نے دلچسپی سے پوچھا۔ایڈم نے ناراضی سے اسے دیکھا۔

''وہ کریزی سائیکو پیتھ.....مجھے تو اس آدمی سے خوف آنے لگا ہے۔اگر اس نے اپنی جان لے لی تو اس کا خون کس کے سر ہو گا جے تالیہ؟''

''ریلیکس۔وہ بے وقوف ہے۔مگر دیوانہ نہیں۔وہ اپنی جان کبھی نہیں لے گا۔''

''وہ کریزی ہے۔کریزی۔'' ایڈم کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے سمجھائے۔''اس کو جب معلوم ہو گا کہ ہم نے اس کے ساتھ ایک کون کھیلا ہے تو مجھے ڈر ہے وہ کچھ غلط نہ کر ڈالے۔آپ پلیز ان ماگوں کو واپس لے لیں۔میری دوا کسی اور طریقے سے بن جائے گی مگر میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے آپ اتنا بڑا خطرہ مول لیں۔''

وہ بے بسی سے سامنے کھڑی شہزادی کو دیکھ رہا تھا۔

''اب کچھ نہیں ہو سکتا ایڈم۔میں نے تمہیں اس سب میں پھنسایا تھا۔میں ہی تمہیں نکالوں گی۔'' وہ شانے اچکا کے کہتی مڑ گئی تو زمین پہ بیٹھے ایڈم نے یاسیت سے اسے پکارا۔

''میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں' جے تالیہ۔''

وہ مڑی اور مسکرا کے اسے دیکھا۔''کہو۔''

چند ثانیے خاموشی کی نذر ہو گئے۔پھر ایڈم نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''نہیں۔جب یہ یقین ہو جائے گا کہ مرنے والا ہوں.....یا یہ کہ دوا سے بچ سکتا ہوں.....تب کہوں گا۔پہلے مجھے اس بے یقینی سے نکلنا ہو گا۔''

وہ رخ موڑ گیا۔اسے ابھی شہزادی سے کوئی بات نہیں کہنی تھی۔

ابھی اس کے پاس وقت تھا۔

☆☆=========☆☆

بندا ہارا کے محل سے نیچے پہاڑی کی ڈھلان کو جاتا راستہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔وہاں بھی مزدور کام پہ لگے تھے اور متوقع طور پہ سونے کے پل کے لیے بنیادیں بنائی جارہی تھیں۔

محل کے پائیں باغ میں دور دور تک پھلدار درخت قطاروں میں نظر آتے تھے۔ایک درخت سے دوسرے تک کافی فاصلہ تھا اور زمین تراشیدہ گھاس سے ڈھکی تھی۔

ایسے میں ایک جگہ گھاس پہ لکڑی کا اسٹینڈ کھڑا تھا جس پہ کینوس نما کاغذ لگا تھا۔ایک اونچی چوکی پہ مختلف رنگ کھلے پڑے تھے اور تالیہ برش اور انگلیوں کی مدد سے کینوس پہ رنگ بھر رہی تھی۔

صبح کی ٹھنڈی چھایا سارے باغ پہ پھیلی تھی۔بادلوں نے آسمان کو ڈھک رکھا تھا اس لیے دھوپ ندارد تھی۔اس خوبصورت موسم میں سفید لباس پہنے کھڑی شہزادی خود بھی کسی پینٹنگ کا حصہ دکھائی دیتی تھی۔بال آدھے باندھے' زیورات سے مبرا وجود' سر پہ سفید ریشمی کپڑا اڈالے' وہ مسکراتی ہوئی برش چلا رہی تھی جب آہٹ پہ چونک کے سر اٹھایا۔

اس آہٹ کو وہ پہچانتی تھی۔گھاس پہ چلتے قدموں کی اس چاپ تک کو وہ پہچانتی تھی۔

وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔آج سیاہ قبا کندھوں پہ نہیں تھی۔سفید کرتے پاجامے پہ بنا آستین کے بھوری جیکٹ پہنے' کہنی پہ چرمی تھیلا اٹھائے' وہ کوئی سامان لے جا رہا تھا جب راستے میں درختوں کے درمیان سفید ریشم کی جھلک دیکھ کے رکا اور ادھر ہی آگیا تھا۔اس کے ماتھے پہ بال بکھرے تھے اور چہرے پہ وہی مطمئن سی مسکراہٹ تھی۔

اسے دیکھ کے تالیہ کے اندر تک عجیب سی خوشی اترنے لگی۔

"آپ کب آئے؟" سر جھکا کے وہ بے مقصد برش چلانے لگی۔

"تم نے یہاں بھی اپنے ذوق کی چیزیں ڈھونڈ لیں۔" وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے ساتھ آکھڑا ہوا اور کینوس پہ جھانکا۔وہ ایک بلیک اینڈ وائٹ تصویر بنا رہی تھی۔

باغ کا منظر۔دور تک پھیلے بلیک اینڈ وائٹ درخت۔اور اس سارے پھیکے منظر میں درمیان کا صرف ایک درخت تھا جس کے اوپر نارنجی رنگ کے مالٹے لگے تھے۔

"کتنا امیزنگ ہے یہ سب۔" وہ پینٹنگ دیکھتے ہوئے ستائش سے بولا۔

''کیا؟ میرا آرٹ ورک؟''

''نہیں۔ ہم انسانوں کی ماحول کے ساتھ ایڈ جسٹ کرنے کی صلاحیت۔'' وہ جیسے اعتراف کر رہا تھا۔ ''میں اس قدیم دنیا میں رہنے کے ارادے سے نہیں آیا تھا' نہ ہی گزشتہ دفعہ کی طرح لاعلمی میں یہاں پھنس گیا تھا۔ میں یہاں سے جلد از جلد جانے کے لیے آیا تھا لیکن اب دیکھو۔'' اس نے مسکرا کے تالیہ کو دیکھا۔ ''میں یہاں رہ رہا ہوں اور ماحول کے ساتھ ایڈاپٹ بھی کر گیا ہوں۔''

یہ فقرے کہتے فاتح کے انداز میں کچھ بے بس سا تھا۔ تالیہ نے برش رکھ دیا۔

''کیا میں آپ کے لیے کچھ کر سکتی ہوں' فاتح؟'' وہ دونوں باغ کے وسط میں کینوس اسٹینڈ کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''نہیں تالیہ۔ ہم نے یہ طے کیا تھا کہ ہم ایک دوسرے پہ اپنی خواہش نہیں مسلط کریں گے۔''

وہ آزردگی سے مسکرا دی۔ ''پھر بھی میری خواہش ہے کہ آپ جلد از جلد ایڈم کے ساتھ اپنی دنیا میں واپس چلے جائیں۔ اور میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ آپ کا استعفیٰ جو آپ اپنے دراز میں چھوڑ آئے ہیں' جو سوموار کی صبح جمع کروایا جانا تھا' وہ آپ تلف کر دیں۔ خواہش مسلط کرنے سے منع کیا تھا آپ نے۔ خواہش بتانے سے تو نہیں۔''

''نہیں تالیہ۔ میں نے ایک غلطی کی تھی۔ مجھے اس کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔''

''آپ وزیر اعظم نہیں بنیں گے تو کوئی اور بن جائے گا جو آپ سے زیادہ گناہگار ہوگا۔ اس کرسی کو چھوڑ دینا مسئلے کا حل نہیں ہے' ڈان فاتح۔ اس بارے میں سوچیے گا ضرور۔ آپ کے پاس یہاں بہت وقت ہے۔ جب آپ واپس جائیں گے تو وہاں وقت ٹھہرا ہوا ہوگا اور آپ کے پاس اس استعفے کو تلف کرنے کی مہلت ہوگی۔''

''میں نے وہ خواب دیکھنا چھوڑ دیا ہے۔'' وہ مسکرایا تو اس کی آنکھوں میں زخمی پن سا تھا۔ ''میں صرف اپنے آج پہ فوکس کر رہا ہوں۔ مجھے مراد راجہ کو سلطان بنوانا ہے اور اس سے وقت کی چابی لینی ہے جو کہ مجھے معلوم ہے کہ وہ آسانی سے نہیں دے گا۔''

''آپ ان کو سلطان کیسے بنائیں گے؟''

''ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم نے بنگارا یا ملایو پڑھ رکھی ہے۔ اس کے مطابق سن باؤ وانگ لی کا پتا صاف کرنے سے مراد راجہ سلطان بنا تھا۔ تب مجھے سن باؤ ہیرو لگتا تھا۔ اب کچھ نہیں لگتا۔''

''اوہ ہاں۔'' تالیہ کو یاد آیا۔ ''مراد راجہ کے سلطان ساز نے وانگ لی کے کسی غلام کو کہا تھا کہ وہ اس شے کے بارے میں

جانتا ہے جو وانگ لی چھپا رہا ہے۔"

"ہاں اور اس غلام نے سیدھا جا کے وانگ لی کو مخبری کر دی تھی۔ وانگ لی سمجھا کہ وہ سلطان ساز سے دو قدم آگے ہے' اس لیے وہ موقع ملتے ہی ایک صبح منہ اندھیرے شہر سے باہر ایک قلعے تک گیا جہاں اس نے اس شے کو چھپا رکھا تھا۔ راجہ کے سپاہی اس کی تاک میں تھے۔ جیسے ہی وہ وہاں گیا' انہوں نے اس کو گھیر لیا' اس شے کو برآمد اور وانگ لی کو گرفتار کر لیا۔ پھر انہوں نے وانگ لی کو ایک آپشن دیا کہ وہ سفارت کاری سے استعفیٰ دے ڈالے اور ملاکہ سے رخصت ہو جائے۔ یوں وانگ لی نے استعفیٰ دیا' اور اپنے بحری سفر پہ روانہ ہو گیا، کہتے ہیں اس کی موت اس آخری سفر کے دوران ہی آ گئی تھی۔ اس کے جاتے ہی ملکہ کمزور ہو گئی اور مراد راجہ مضبوط۔" فاتح نے کتاب میں پڑھی باتیں مختصراً دہرا دیں۔

"واہ" وہ محظوظ ہوئی تھی۔ "یعنی بابا اور آپ لوگ کل صبح وانگ لی کے قلعے پہ چھاپہ مار کے اس کو گرفتار کرنے جا رہے ہیں۔ ویسے وہ چیز کیا تھی جو اس نے چھپا کے رکھی تھی؟"

"اس چیز کا ذکر کتاب میں نہیں ہے۔ قدیم کتابوں کی طرح بنگارایا ملایو میں بھی کچھ باتیں راز کی صورت میں لکھی گئی ہیں۔ وہاں بس یہ درج ہے کہ خود سلطان ساز کو بھی علم نہیں تھا کہ وہ شے کیا تھی۔ لیکن جب وہ اس قلعے میں پہنچا تو اسے وہاں داخل ہوتے ہی سب سمجھ آ گیا۔ امید ہے کل ہمیں بھی سمجھ آ جائے گا۔" پھر وہ توقف سے بولا۔ "اور تم.... تم نے سنا ہے سلطان کے لیے بہت سخت شرائط رکھی ہیں؟"

"ایڈم کی دوا کے لیے ایک فوج چاہیے تھی جو بے وقوف سلطان نے مہیا کر دی۔"

"ایڈم کہاں ہے؟"

"بابا کا کہنا ہے کہ اس کی حالت سمندر کے بالکل قریب رہنے سے بگڑے گی اس لیے کچھ دن کے لیے اسے سلطنت محل بھیجا ہے۔ وہ زیادہ تر وہیں رہتا ہے اب۔"

وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ پھر کسی خیال کے تحت فاتح نے پوچھا۔

"کیا تمہیں اب بھی خواب آتے ہیں مستقبل کے بارے میں؟"

"نہیں۔ جب سے ہم واپس آئے ہیں' میری وہ حس مر گئی ہے۔ لیکن ہمیں مستقبل بتانے کے لیے کتاب کا علم ہے نا۔ اس کتاب میں کچھ جھوٹ نہیں تھا۔ ہم دونوں کتاب پہ بھروسہ کر کے ہی اپنی حکمت عملی بنائے ہوئے ہیں' فاتح۔ سب کچھ ویسا ہی ہو گا جیسا کتاب میں لکھا ہے۔" وہ اسے یقین دلا رہی تھی۔ اور ان دونوں کے لیے یہ اطمینان کافی تھا کہ بنگارایا ملایو کے مطابق فتح انہی کا مقدر تھی۔

''اور جب میں سلطان کو خودکشی سے روک دوں گی اور اسے کہوں گی کہ یہ شرط میں نے اس لیے رکھی تھی تاکہ وہ میری مانگوں کو کبھی پورا نہ کر سکے اور جان لے کہ وہ زبردستی مجھ سے شادی نہیں کر سکتا تو سلطان سر جھکا دے گا۔ اور ہمارے راستے الگ ہو جائیں گے۔ ہم لامتناہی کھلاڑی ہیں۔ ہمارے پاس کتاب کی پیروی کرنے کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔''

''درست۔ خیر۔ مجھے راجہ کے پاس جانا ہے۔ اور ان کو کل کے لائحہ عمل سے آگاہ کرنا ہے۔''

شہزادی نے مسکرا کے سر ہلا دیا۔ وہ اب اپنے تھیلے کو دیکھتے ہوئے اس سے رخصت مانگ رہا تھا۔

کچھ دن کے لیے ہی سہی لیکن وہ دونوں ساتھ تو تھے۔

برابری کی سطح پہ ایک دوسرے سے مخاطب تو تھے۔

اس قدیم بلیک اینڈ وائٹ باغ کے وسط میں کھڑے دو رنگین نفوس......

☆☆=========☆☆

بندا ہارا کی خواب گاہ سے ملحقہ کمرہ نیم روشن تھا۔ دیوار پہ جانوروں کی کھالیں نمائش کے طور پہ آراستہ تھیں۔ ایک مشعل کا ٹمٹماتا شعلہ مدھم روشنی بکھیر رہا تھا۔

کمرے کے وسط میں میز رکھی تھی جس پہ ایک نقشہ پھیلا تھا۔ میز پہ جھکے کھڑے راجہ کے دائیں بائیں وہ دونوں موجود تھے۔ عارف نقشے پہ مختلف جگہوں پہ نشانات لگا رہا تھا اور فاتح سرگوشی میں مراد کو صورتحال سے آگاہ کر رہا تھا۔

''میری اطلاع کے مطابق کل صبح سن باؤ منہ اندھیرے اس قلعے کی طرف جائے گا۔ ہمارے آدمی اور خود ہم بھی اس کی تاک میں ہوں گے۔ ہم اس کو وہیں جالیں گے۔''

''اور اگر اس نے ہمیں چکما دے دیا اور ہم اس کا تعاقب نہ کر سکے؟'' عارف نے سر اٹھا کے ایک دم سوال کیا۔ مراد نے اس سوال پہ خاموشی سے فاتح کا چہرہ دیکھا۔ اس نے گہری سانس لی اور مسکرایا۔

''راجہ.....مجھے معلوم ہے میں کیا کر رہا ہوں۔ شہر کے ایک طرف سمندر ہے۔ باقی تینوں اطراف کی ناکہ بندی کروا دی ہے میں نے۔ سن باؤ شمال کی سمت ہی جائے گا لیکن میں نے احتیاطاً دوسری دو اطراف میں بھی تعاقب کار بٹھا دیے ہیں۔ ہماری ٹولیاں جگہ جگہ سن باؤ کے لیے گھات لگا کے بیٹھی ہیں۔ ہم اسے نہیں کھوئیں گے۔ اس کا تعاقب کل صبح ہمیں لازمی اس قلعے تک لے جائے گا۔''

اس کے جواب پہ مراد نے مطمئن سے انداز میں ہنکارا ابھرا تو عارف نے پہلو بدلا۔

''تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ وہ شے کیا ہے جسے سن باؤ نے وہاں چھپا رکھا ہے؟''

مشعل کے پھڑپھڑاتے شعلے کی روشنی فاتح کے چہرے کو نیم روشن کیے ہوئے تھی۔اس کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔اسی اطمینان سے گویا ہوا۔

''وہ شے وہیں جا کے آپ دیکھ لیں گے۔ایسی حساس معلومات ابھی سے دینا دانشمندی نہیں ہے۔دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔'' ایک کٹیلی نظر عارف پہ ڈالی تو وہ چپ رہ گیا۔

''خدا کرے ایسا ہی ہو ڈوان فاتح۔ہم چینی سفیر پہ حملہ کرنے جا رہے ہیں۔اگر ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے تو ہم بہت بڑی مشکل میں پھنس سکتے ہیں۔'' مراد راجہ تنبیہہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔فاتح نے سر کو خم دیا۔

''آپ فکر نہ کریں۔میرا علم دھوکہ نہیں دے گا۔'' وہ پراعتماد تھا۔

مراد راجہ وہاں سے نکلا تو اس کا رخ سلطنت محل کی جانب تھا۔اسے سلطان سے چند حکم ناموں پہ مہر اجازت ثبت کروانی تھی۔

وہ اپنے سپاہیوں کی معیت میں محل پہنچا تو معلوم ہوا کہ سلطان چند غیر ملکی سفیروں کے ساتھ ملاقات کر رہا ہے۔اسے فارغ ہونے میں چند گھڑیاں لگنی تھیں۔مراد راجہ دربار کے باہر باغیچے کے گھاس پہ ٹہلنے لگا۔بازو پیچھے باندھے وہ دائیں بائیں چکر کاٹتے ہوئے کل کے معرکے کے بارے میں سوچ رہا تھا جب اسے احساس ہوا کہ باغیچے میں اس کے علاوہ کوئی اور بھی ہے۔

وہ جو اتنی خاموشی سے ایک سنگی بنچ پہ بیٹھا تھا.....خود میں سمٹا سمٹا سا.....کہ اس کے ہونے یا نہ ہونے کا احساس تک نہیں ہوتا تھا...

''کیا حال ہے تمہارا؟ بڑے دن بعد دیکھا ہے تمہیں۔'' مراد بنچ کے قریب آیا اور ایڈم کو دیکھتے ہوئے سرسری سا پوچھا۔وہ جو چادر اوڑھے وہاں گٹھڑی صورت بیٹھا دھوپ سینک رہا تھا' بس خاموش آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ان آنکھوں میں بیک وقت اتنے گلے اور شکایتیں تھیں کہ لب ہلانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

راجہ نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

''چچ چچ...تمہیں ابھی تک غلط فہمی ہے کہ تمہاری حالت کا ذمہ دار میں ہوں؟''

وہ اس کے ساتھ بنچ کے دوسرے کنارے پہ آ بیٹھا تو ایڈم ناگواری سے مزید سمٹا۔مراد راجہ نے ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور سامنے پھیلی سرما کی دھوپ کو دیکھنے لگا جو ایک دم بادل چھٹنے سے نکل آئی تھی۔

''حالانکہ اپنی حالت کے ذمہ دار تم خود ہی ہو۔تم نے بندا ہارا مراد راجہ کو صحیح سے پرکھا ہی نہیں۔چچ چچ۔'' وہ واقعی افسوس

سے ایڈم کو دیکھ کے کہنے لگا۔ ''تم نے مجھ سے اور کس چیز کی توقع کی تھی؟ کہ تم مجھ سے دوا مانگنے آؤ گے اور میں سونے کے طشت میں اسے رکھ کے تمہارے حوالے کردوں گا؟''

''یعنی آپ سے انسانی ہمدردی کی توقع کرنا میرا قصور ہے؟''

''سب تمہارا قصور ہے' آدم۔ سب کچھ۔'' راجہ نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔ ''اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔''

''دوا مل جائے گی تو ہم دونوں یہاں سے چلے جائیں گے۔ آپ کی دنیا میں رہنے کا شوق نہیں ہے ہمیں۔''

''تم اپنی بات کرو۔''

''دونوں سے مراد میں اور وان فاتح ہیں۔ شہزادی تاشہ کی بات نہیں کر رہا میں۔''

''کہا نا..... تم اپنی بات کرو صرف۔ کیونکہ وہ دونوں میری اس دنیا میں خوش ہیں۔'' راجہ اپنی ہلکی داڑھی کھجاتے ہوئے سامنے افق کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ایڈم نے چونک کے اسے دیکھا۔ پھر اس کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''اوہ۔ وان فاتح نے آپ کو سلطان بننے کی امید دلائی تو آپ ان کو بھی اسی دنیا میں رکھنے پہ راضی ہو گئے؟''

مراد نے چہرہ اس کی طرف جھکایا اور سرگوشی میں بولا۔ ''میری بیٹی نے اس سے شادی کی ہے' آدم۔ اگر اس کی بات درست ثابت ہو جائے اور مرسل شاہ کا تخت الٹ جائے..... تو مجھے اپنی بیٹی کے اس رشتے پہ کیوں اعتراض ہو گا؟ مجھے کسی سلطان کا خوف نہیں ہو گا اور وہ ہمارے ساتھ رہ سکتا ہے۔''

''آپ یہ اپنی بیٹی کے لیے نہیں کر رہے۔ آپ کو وان فاتح کی صلاحیتیں اپنی طاقت بڑھانے کے لیے چاہیے ہیں۔''

مراد نے آنکھوں میں چمک لیے ایڈم کو محظوظ انداز میں دیکھا۔

''ہاں۔ ایسا ہی ہے۔ اور میں نے اس بارے میں بہت سوچا ہے۔ مجھے وہ آدمی پسند ہے۔ اور میں اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہوں گا۔''

ایڈم کا چہرہ غصے سے دہکنے لگا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس آدمی کو کیا کہے جو اپنی انگلیوں کے اشارے پہ سب کی زندگیاں چلانا چاہ رہا تھا۔

''مراد راجہ.....'' قدرے ضبط سے وہ ٹھہر ٹھہر کے بولنے لگا۔ ''آپ نے اگر وان فاتح کو اسی دنیا میں رکھنا تھا تو مجھے یہاں سے جلد از جلد بھیجنے کے لیے گھائل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ میری جان اتنی فالتو تھی کیا؟''

''اوہ تم مختلف ہو۔'' راجہ نے فوراً سے کہا۔ ''کیا تمہیں ابھی تک معلوم نہیں ہوا؟ میری بیٹی ایک شہزادی ہے۔ وان فاتح

کے ساتھ رہنے کے لیے بھی اسے شہزادی بن کے رہنا پڑے گا۔ کیونکہ وہ اپنے علاقے کا بنداہارا بننے والا تھا۔ وہ خاص تھا۔ وہ اس کے ساتھ رہے گی تو ہمیشہ خاص رہنا چاہے گی۔ ملکہ بننا چاہے گی۔ یہی میں چاہتا ہوں۔''

''اور میں؟'' ایڈم نے الجھ کے اسے دیکھا۔

''تم۔'' راجہ مبہم سا مسکرایا۔ ''تم عام ہو۔ آدم بن محمد۔ ایک بالکل عام انسان۔ تمہاری وجہ سے اس کو ہمیشہ عام لوگوں سے نسبت رہے گی۔ تم ساتھ رہو گے تو اسے لگے گا کہ عام لوگوں کی کہانیوں کے بھی خوشگوار انجام ہو سکتے ہیں۔ تم اس کا عام لوگوں کے جیت جانے پہ یقین ہو۔ ایک زمانے میں میری بیٹی تمہاری دنیا میں ایک مجرم کی طرح زندگی گزارتی تھی۔ جب اس نے مجھے کہا کہ وہ بدل گئی تھی تو میں جان گیا تھا کہ وہ کیسے بدلی تھی۔''

''انہیں وان فاتح کی باتوں نے بدلا تھا۔''

''نہیں۔ وہ تمہاری وجہ سے بدلی تھی۔ کیونکہ تم نے اسے یہ یقین دلایا تھا کہ عام لوگوں کی اچھائی ان کے لیے اچھے انعام لے کر آتی ہے۔ اس لیے میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ وہ تمہارے ساتھ رہے یا تمہاری کہانی کا اچھا انجام ہو.....'' کندھے اچکا کے مراد راجہ اٹھا تو ایڈم نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ اس کے عقب سے دھوپ آرہی تھی اور ایڈم کی آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔

''اسی لیے آپ چاہتے تھے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں؟ کیونکہ میری وجہ سے وہ کبھی نہ کبھی اپنے اصل کی طرف لوٹ آئیں گی؟ کیونکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ کوئی شہزادی نہیں ہیں۔ وہ آپ کی دنیا کی فرد ہیں ہی نہیں۔ وہ ہماری دنیا کی بچے تالیہ ہیں۔''

''میں چاہتا ہوں کہ تمہارا قصہ جلد ختم ہو۔ واپسی کا مجھے نہیں معلوم کیونکہ.....'' مراد اس کی طرف جھکا اور پھر سے سرگوشی کی..... ''میرے پاس اب وقت کی چابی نہیں ہے۔''

اس کے الفاظ نے ایڈم کو پتھر کا بنا دیا۔

''جس چابی سے تم لوگ واپس آئے ہو.....وہ تمہارے شکار باز نے بنائی تھی اور اس کا جادو مختلف ہے۔ میں نہیں جانتا کہ تم اس سے واپس جا بھی سکو گے یا نہیں۔ لیکن جس دن تم تندرست ہو گئے، میں تمہیں ملاکہ میں مزید ایک دن نہیں ٹھہرنے دوں گا۔ چاہے اس کے لیے مجھے تمہیں چین کے کسی جزیرے پہ ہی کیوں نہ بھجوانا پڑے۔''

اس کے سرد انداز میں دھمکی بھی تھی اور رعونت بھی۔ وہ اپنی کہہ کے سیدھا ہوا۔ کمر پہ ہاتھ باندھے اور آگے بڑھ گیا۔ مگر ایڈم کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گیا۔ وہ بالکل گم صم سا وہاں بیٹھا رہ گیا۔

☆☆=========☆☆

ملاکہ شہر سے دور اونچی نیچی پہاڑیوں کے سلسلے بنے تھے۔ وہاں ایک الگ تھلگ ویران سا قلعہ تھا جو اس صبح نیم اندھیرے میں خاموشی سے کھڑا اپنے آہنی گیٹ پہ گھوڑا روکتے سن باؤ کو دیکھ رہا تھا۔

سن باؤ اکیلا آیا تھا۔ کسی بھی محافظ یا غلام کے بغیر کیونکہ وہ کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

فربہ چینی سفیر اب ماتھے سے نادیدہ پسینہ پونچھتے ہوئے تھکا تھکا سا گھوڑے سے اترا اور سر اٹھا کے قلعے کو دیکھا۔ پھر گہری سانس لی۔

وہ کوئی عظیم الشان سا قلعہ نہ تھا۔ بلکہ کافی چھوٹا تھا۔ اور بالکل سنسان۔ اس کی پتھریلی دیواروں پہ نمی کے باعث جگہ جگہ سبز کائی جمی تھی۔

سن باؤ نے چند گہرے گہرے سانس اندر کو کھینچے۔ گویا تنفس ہموار کیا کہ لمبی مسافت طے کر کے آیا تھا۔ پہریداروں اور دشمنوں' دونوں کو چکما دے کر نکلنا آسان بات نہ تھی۔ لیکن جیسے ہی وہ قلعے کی طرف بڑھا' ایک دم ہر طرف سے اس کے اوپر افتاد ٹوٹ پڑی۔

اس کا گھوڑا مضطرب سا ہو کے ہنہنایا۔ گھوڑے کو شاید اندازہ ہو گیا تھا مگر وانگ لی ہکا بکا رہ گیا تھا۔ لگام اس کے ہاتھ میں پتھر کی ہو گئی تھی اور وہ منہ کھولے اپنے چاروں طرف گھیرا تنگ کرتے سپاہیوں کو دیکھ رہا تھا جو جانے کہاں سے نکل آئے تھے۔

اس ششدر لمحے میں وانگ لی نے گردن دھیرے دھیرے چاروں اطراف میں گھمائی۔ یہ بندا ہارا کے سپاہی تھے اور اس کے گرد دائرے کی صورت تلواریں تانے کھڑے تھے۔ مراد راجہ ان کی سربراہی کر رہا تھا۔ اور ساتھ میں .... تبھی وانگ لی نے اسے دیکھا اور اسے دیکھتے ہی اس کے کندھے مزید ڈھیلے ہو گئے... سیاہ قبا والا سنجیدہ صورت آدمی اپنے گھوڑے کو آگے بڑھاتا عین وانگ لی کے سامنے لے آیا تھا۔

وانگ لی گم صم ساز مین پہ کھڑا تھا۔ لگام ہنوز ہاتھ میں تھی۔

''سن باؤ وانگ لی.....'' وان فاتح نے مدھم مسکراہٹ کے ساتھ اسے مخاطب کیا۔ ''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ اس وقت یہاں کیا کر رہے ہیں؟''

اس نے انتظار کیا کہ وانگ لی کچھ کہے گا۔ اپنے دفاع میں کوئی دلیل دے گا۔ یہاں آنا جرم تو نہیں ہے۔ وہ تو پاس سے گزر رہا تھا وغیرہ وغیرہ۔ مگر وانگ لی اتنا ششدر تھا کہ کچھ بول ہی نہیں سکا۔ اس نے لگام چھوڑ دی اور ٹکر ٹکر فاتح کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"اس سے کیا پوچھتے ہو؟" مراد نے تحقیر سے اسے دیکھا اور سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ "اندر جاؤ اور اس قلعے کی تلاشی لو۔"

وان فاتح نے نظریں اٹھا کے سپاہیوں کو دیکھا اور راجہ کی بات جاری رکھی۔ "مجھے اندر موجود ہر شے کا حساب چاہیے۔ آخر سلطان کو معلوم ہونا چاہیے کہ وانگ لی نے یہاں کیا چھپا کے رکھا ہے۔"

وانگ لی اسی طرح چپ کھڑا رہا۔ پھر اس نے سر نیہواڑ دیا اور لب کاٹنے لگا۔ بے بسی کی انتہا تھی۔

سپاہی تھوڑی دیر میں ہی لوٹ آئے۔ "اندر تو کچھ نہیں ہے۔"

فاتح نے چونک کے سپاہی کو دیکھا۔ اور پھر وانگ لی کو جس نے تیزی سے سر اٹھایا تھا۔ وہ جیسے چونکا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔ اس نے کہا کچھ نہیں۔ بس چپ چاپ فاتح اور سپاہی کو دیکھنے لگا۔

"اندر موجود تمام چیزوں کو باہر لے آؤ اور...."

"راجہ... اندر کچھ بھی نہیں ہے... سارا قلعہ خالی ہے۔" عارف نے سرگوشی کی۔

ماحول عجیب سا ہو گیا تھا۔ راجہ نے گھور کے فاتح کو دیکھا اور وہ بار بار وانگ لی کے چہرے کو دیکھتا تھا جس کی رنگت بحال ہو رہی تھی۔ جیسے اس کی جان میں جان آ رہی ہو۔ اس نے سکون کا سانس لیا اور فاتح کو لگا وہ زیرِ لب مسکرایا بھی ہے۔

کچھ تھا جو غلط تھا۔

"میں دیکھتا ہوں۔" وہ ماتھے پہ بل ڈالے تیزی سے قلعے کے اندر داخل ہوا۔ بلند آواز میں سپاہیوں کو غصے سے حکم دیا کہ وہ ہر شے الٹا پلٹا دیں۔ مگر وہاں تھا کیا جس کی تلاشی لی جاتی؟ سب سامنے تھا۔

سورج نکل رہا تھا اور ہر پل وہ قلعہ مزید عیاں ہو رہا تھا۔ وہ خالی تھا۔ کسی بھی شے سے خالی۔ سوائے لکڑی جلانے کے انتظام کے علاوہ وہاں کچھ نہ تھا۔ سپاہیوں نے زمین کے کونے تک چھان مارے کہ شاید تازہ تازہ کچھ دبایا گیا ہو مگر وہاں کچھ بھی مشکوک نہ تھا۔ ہر گزرتے پل کے ساتھ وانگ لی کی حالت بہتر ہوتی جا رہی تھی۔

"بس کر دو وان فاتح۔" راجہ اس کے پیچھے اندر آیا اور ڈپٹ کے بولا۔

"مجھے صحن کی کھدائی کروانے دیں۔ کیا معلوم اس نے یہاں کچھ دبا رکھا ہو۔ یا دیواروں میں کچھ چن رکھا ہو۔"

"ہم اس سے زیادہ چینی سفیر کو نہیں روک کے رکھ سکتے۔"

"مگر راجہ....."

"تم اس وقت صرف یہ سوچو کہ جب یہ چینی چمگادڑ اپنی ملکہ کو شکایت لگائے گا تو میں سلطان کو کیا منہ دکھاؤں گا۔" وہ غرا کے بولا اور پھر غصے سے سپاہیوں کو واپس بلانے لگا۔ مہم ناکام ہو چکی تھی۔

فاتح بالکل خاموش ہو گیا۔ وہ خود بھی جیسے شل ہو گیا تھا۔ اس نے چپ چاپ گھوڑا سپاہیوں کی معیت میں واپس موڑ لیا۔ وانگ لی کی آنکھیں' ان کی چمک..... وہ سب کچھ بتاتی تھی کہ قلعے میں کچھ ایسا تھا جو وہ مس کر گئے تھے۔

جس وقت انہوں نے وانگ لی کو موقعے پہ پکڑا تھا' تب خود وانگ لی کو بھی یقین ہو چلا تھا کہ وہ پکڑا گیا ہے۔ وہ بار بار قلعے کو دیکھتا تھا اور اسے معلوم تھا کہ جو اس نے چھپا رکھا ہے وہ لوگ اسے برآمد کر لیں گے۔ مگر وہ نہیں کر سکے تھے۔ وہ شے ان کو نظر نہیں آئی تھی۔ اور نظر کے اس دھوکے نے سارا منظر بدل دیا تھا۔

اور شاید ساری تاریخ بھی۔

اور یہ سوچ کے فاتح کا دل دھک سے رہ گیا۔

وانگ لی کی سانسیں بحال ہو چکی تھیں۔ وہ اب بارعب آواز میں مراد سے کہہ رہا تھا کہ وہ اس بے عزتی کا حساب لے گا اور مراد ناگواری سے اس کو جواب دے رہا تھا۔ مگر وان فاتح ان کی گفتگو نہیں سن رہا تھا۔

اس کا دماغ ایک جگہ اٹک گیا تھا۔

کتاب میں لکھا تھا کہ انہیں وانگ لی کا راز مل گیا تھا۔ مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ یعنی کہ کتاب......؟؟

اس نے ایک دم لگام کو جھٹکا دیا۔ راجہ نے اسے آواز دی مگر وہ جانتا تھا کہ اسے جلد از جلد واپس ملاکہ پہنچنا تھا۔ اس وقت راجہ کی بات سننے سے زیادہ ضروری کچھ اور تھا۔

وہ آج بھی باغ میں کھڑی کینوس پہ رنگ بھر رہی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھوں کے پورے نیلے اور جامنی رنگ سے لتھڑے تھے اور وہ گردن ٹیڑھی کیے پینٹنگ بنانے میں محو تھی۔

''تالیہ.....تالیہ....'' وہ بھاگتے ہوئے اس کے قریب آیا تو تالیہ نے سر اٹھایا۔ اسے دیکھ کے چہرے پہ مسکراہٹ در آئی۔

''آپ اتنی صبح؟''

''وہ کتاب.....'' وہ اتھل پتھل سانسوں کے درمیان کہتا اس کے سامنے آ رکا۔ ''وہ کتاب سچ نہیں ہے۔''

''کیا؟'' اس نے اچھنبے سے فاتح کو دیکھا۔ وہ پسینے میں شرابور تھا۔ یوں لگتا تھا میلوں کی مسافت طے کر کے آیا ہو۔

''بنگارایا ملایو....اس کا تیرہواں باب سچ نہیں تھا۔ وانگ لی کا راز ہمیں نہیں مل سکا۔''

''کیا مطلب؟ آپ کو معلوم نہیں ہو سکا کہ اس نے کیا چھپایا تھا اس قلعے میں؟''

''نہیں تالیہ۔ جیسا کتاب میں لکھا تھا ویسا نہیں ہوا۔'' وہ گھٹنے پہ ہاتھ رکھ کے جھکا اور گہرے سانس لینے لگا۔

''چچ۔'' تالیہ کو افسوس ہوا۔ ''مگر خیر.....آپ فکر نہ کریں۔ آپ وانگ لی کے خلاف کچھ اور ڈھونڈ لیں گے اور.....''

"تمہیں میری بات سمجھ میں نہیں آ رہی کیا؟" اس نے سر اٹھا کے بے یقینی سے تالیہ کو دیکھا۔ "کتاب ہم سے جھوٹ بول رہی ہے۔" زور سے دہرایا تو وہ رک کے اسے دیکھنے لگی۔

"تالیہ.... تالیہ.... تمہاری شرطیں.... تم نے سلطان کو مارنے کی شرط رکھی تھی۔" اس نے یاد دلایا تو تالیہ نے گہری سانس لی۔

"مگر میری شرط سے سلطان کو کچھ نہیں ہوا تھا۔"

"یہ تو ہم نے کتاب میں پڑھا تھا نا۔ تمہیں کیسے پتہ یہ سچ ہے؟ مجھے کتاب میں لکھی باتوں پہ بھروسہ نہیں رہا۔"

"وہ اتنا پاگل نہیں ہے کہ اپنی جان لے لے۔" اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔ "ویسے بھی جب اس نے ایسا کرنے کی کوشش کی تھی تو میں اس کے پاس گئی تھی اور اس کو روک دیا تھا۔"

"کیسے؟"

"کیسے روکا تھا؟ ظاہر ہے زبان سے یہ کہہ کے کہ....."

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "تم اس کے پاس کیسے گئی تھیں؟ تم نے تو راستے منہدم کروا دیے تھے۔"

"ہاں مگر ہم نے جنگل سے ایک راستہ رکھا ہوا ہے نا جس سے گزر کے روز بابا محل جاتے ہیں۔ مگر کتاب کے مطابق...." اس نے رک کے یاد کیا۔ "میں جادوئی طریقے سے سلطان کے کمرے میں نمودار ہوئی تھی اور میں نے اسے خودکشی سے روک دیا تھا۔ آپ پریشان نہ ہوں.... میری مانگیں سلطان کو....."

"تالیہ....." وہ اس کے عین سامنے آ رکا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "تمہیں کوئی ایسا جادو آتا ہے جس سے تم غائب ہو کے اس کے کمرے میں پہنچ جاؤ؟"

اور تالیہ مراد کا چہرہ ایک دم سفید پڑ گیا۔

اس کے لب کھل گئے۔ وہ پلک تک نہ جھپک سکی۔ رنگ کی بوتل ہاتھ سے گری اور سبز گھاس کو داغدار کر گئی۔

جامنی رنگ کے چھینٹے اس کے دامن پہ بھی گرے مگر اسے پرواہ نہ تھی۔ اسے تو کوئی جادو نہیں آتا تھا۔ پھر کیا کتاب واقعی سچ نہیں تھی؟ یا اللہ۔

وہ رنگ میں لتھڑے ہاتھوں سے پہلوؤں سے لباس اٹھائے تیزی سے سامنے کی طرف بھاگی تھی۔ وہ اس کے پیچھے لپکا تھا۔

وہ سلطنت محل کے سامنے اپنی بگھی سے اتری اور سیاہ کانچ کی جوتیوں سے قریباً بھاگتی ہوئی محل کی سیڑھیوں کی طرف لپکی۔

دن کے بارہ بجنے کا وقت قریب تھا اور کتاب کا جادو ختم ہونے والا تھا۔ کانچ کے سیاہ جوتوں کا بوجھ اسے چلنے نہیں دے رہا تھا۔ اس نے دونوں جوتے محل کی سیڑھیوں پہ گرا دیے.....اور ننگے پاؤں بھاگتی ہوئی اندر آئی.....پھر بدحواسی سے پہریداروں کو پکارا......

''آقا کہاں ہیں؟ مجھے ان سے ملنا ہے۔''

فاتح کو انہوں نے وہیں روک لیا البتہ اسے جانے دیا۔

''آقا آپ ہی کے منتظر تھے۔ابھی آپ کو بلانے بھیجا تھا قاصد کو۔''

وہ لباس پہلوؤں سے اٹھائے تیزی سے اندر کو بھاگی۔سفید لباس جگہ جگہ سے داغدار ہو چکا تھا۔

سلطان کی خواب گاہ کے دروازے دو پہریداروں نے خاموشی سے کھول دیے۔چوکھٹ پہ تالیہ کے قدم منجمند ہو گئے۔

اندر سے اگربتی کی خوشبو آ رہی تھی۔شاید کافور کی مہک بھی اس میں شامل تھی۔اور شاید خون کی بھی۔

اس کی انگلیوں نے لباس چھوڑ دیا۔وہ پہلوؤں میں برابر ہوتا اس کے پیروں سے ٹکرانے لگا۔وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے آئی اور پھر.....برف ہو گئی۔

سامنے مرسل شاہ اس کی طرف پشت کیے بیٹھا تھا۔اس نے اپنی پگڑی نہیں پہن رکھی تھی۔وہ سر جھکائے بیٹھا دوسری طرف کسی پہ جھکا تھا۔

کوئی اس کے سامنے لیٹا تھا۔آہٹ پہ اس نے گردن موڑی۔تالیہ کو دیکھا اور مسکرایا۔

''آپ کی آخری مانگ پوری ہوئی آج.....شہزادی تاشہ۔''اس نے اشارہ کیا۔وہاں تعینات چار محافظوں میں سے ایک کسی کام میں مصروف نظر آتا تھا۔سلطان کے اشارے پہ سیدھا ہوا اور ایک پیالہ لیے تالیہ کے عین سامنے آ رکا۔پھر اسے قریبی میز پہ ادب سے رکھا۔

اس میں تازہ خون بھرا تھا۔سرخ گاڑھا خون۔

وہ اگلا سانس نہیں لے سکی۔

''آپ کی مانگ مجھے بہت پسند آئی تھی شہزادی۔''مرسل نے اسی طرح بیٹھے بیٹھے بات شروع کی۔''مجھے آپ کو ایسا خون دینا تھا جس میں میرے اور میرے ماں باپ کے خون کی آمیزش ہو۔اس مانگ نے مجھے وہ کرنے کا حوصلہ دیا جو میں ٹالے ہوئے تھا۔ مجھے خوف تھا کہ اگر میں نے کبھی ایسا کیا تو میرے اوپر مقدمہ چلے گا لیکن.....اب نہیں.....کیونکہ قانوناً یہ جائز تھا۔یہ رہا آپ کا خون.....''یہ کہتے ہوئے وہ اٹھا۔

اب مرسل شاہ کے عقب کا منظر واضح ہوا۔

وہاں رکھے ایک ٹھنڈے تختے پہ لیٹے وجود کا چہرہ نظر آیا.....

''یہ میرے بھائی کا خون ہے... جس میں ہم سب کے خون کی آمیزش ہے.....''

تختے پہ لیٹا وجود ایک بچے کا تھا۔ بمشکل نو دس سال کے بچے کا۔ اس کا چہرہ سفید تھا اور آنکھیں بند تھیں۔ اس کی گردن پہ چھری پھیرنے کے نشانات تھے۔

وہ مر چکا تھا۔

مرسل نے خون میں ڈوبا خنجر پرے رکھا اور چلتا ہوا شہزادی کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔

وہ بس سن ہوئی اس بچے کی لاش دیکھ رہی تھی۔

''کیا آپ کو نہیں معلوم تھا کہ میرا ایک بھائی بھی ہے؟ مگر نہیں۔ اکثر لوگوں کو نہیں معلوم تھا۔ ملکہ نے بہت دفعہ کہا کہ میں اسے مروا دوں لیکن.....'' اس نے داڑھی کھجاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے اسے مارنے کے لیے کوئی ٹھوس وجہ نہیں مل رہی تھی۔ اس لیے اتنے عرصے سے اسے خفیہ قید میں رکھا ہوا تھا۔ لیکن اب نہیں۔ آپ کا شکریہ کہ آپ نے میرے راستے آسان کر دیے۔ اب میں اپنے تخت کا تنہا وارث ہوں۔'' پھر اس پیالے کی طرف اشارہ کیا۔ ''آپ کا خون' شہزادی۔''

اشارہ کرتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھایا تو وہ بدک کے پیچھے ہوئی۔ اس کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا تھا۔

''شہزادی!'' وہ ایک دم الٹے قدموں واپس مڑی۔

کون اسے پکار رہا تھا۔ کس کی آواز آ رہی تھی۔ تالیہ نہیں سن رہی تھی۔ وہ بدحواس سی' سفید چہرہ لیے راہداریوں میں بھاگتی جا رہی تھی۔ دن کے بارہ بج گئے تھے۔ اس کی شاہی سواری ایک کدو سے زیادہ کچھ نہ تھی اور اس کے گھوڑے چوہے نکلے تھے۔ شہزادیوں والی ساری طاقت عنقا ہو چکی تھی۔

اس کا دل ڈوب رہا تھا۔ اس بچے کی شکل نظروں کے آگے ثبت ہو گئی تھی۔

وہ محل کے باہر بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ اسے بدحواسی سے بھاگ کے باہر آتے دیکھا تو رک گیا۔ وہ ننگے پیر تھی اور اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

''فاتح..... فاتح.....'' وہ دوڑتی ہوئی اس کے قریب آئی۔ اس کے چہرے پہ شدید خوف رقم تھا۔

''کیا ہوا؟'' اسے یوں دیکھ کے وہ پریشان ہو گیا تھا۔

''مرسل شاہ کا ایک بھائی بھی تھا۔ اس نے اپنے بھائی کو مار ڈالا۔''

وہ بالکل ساکت رہ گیا۔

''ہمیں کتاب نے دھوکہ دیا ہے.... یہ لوگ..... یہ پاگل لوگ ہیں۔ یہ پاگل دنیا ہے۔'' وہ بے بسی اور خوف سے روتے ہوئے تیز تیز کہہ رہی تھی۔ ''انہوں نے ایک بچے کو مار ڈالا ہے۔ آریانہ جتنے بچے کو۔ میں نے ایک بچے کو مار ڈالا ہے' فاتح۔'' گرم گرم آنسو اس کے گالوں پہ پھسل رہے تھے۔

''میری مانگوں کی وجہ سے ایک بچہ مر گیا۔ مجھے نہیں چاہیے یہ محل۔ میں کوئی شہزادی نہیں ہوں۔ میں تالیہ ہوں۔ میں کے ایل کی تالیہ ہوں۔''

وہ بالکل ششدر سا اس کو روتے ہوئے بولتے سن رہا تھا۔ تسلی کے سارے الفاظ ختم ہو چکے تھے۔

''میں.....میں میڈیا کا سامنا کر لوں گی۔ عدالت کا سامنا کر لوں گی۔ مجھے جیل جانا پڑا میں چلی جاؤں گی۔ مگر میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ یہ کریزی لوگ ہیں۔ یہ ہمیں بھی مار دیں گے۔ پلیز تالیہ کو تالیہ کی دنیا میں واپس لے جائیں۔''

اس نے بے بسی اور خوف کے عالم میں فاتح کے ہاتھ۔

پہلی دفعہ.....وہ اپنا غرور اور انا بھلائے اسے کہہ رہی تھی کہ وہ اسے بچا لے۔

اس دفعہ دان فاتح کو اسے بچانا ہو گا۔

وہ خود کو خود بچاتے بچاتے تھک چکی تھی۔

فاتح نے افسوس سے اس کے ہاتھوں کو تھپکا اور بگھی کی طرف جانے کا اشارہ کیا۔ پھر ایک سرد نظر مرسل شاہ کے اونچے محل پہ ڈالی۔

''ہم اپنی دنیا میں واپس ضرور جائیں گے' تالیہ۔ اور ان میں سے کوئی بھی ہمیں نہیں روک سکے گا۔''

☆☆==========☆☆

(باقی آئندہ)